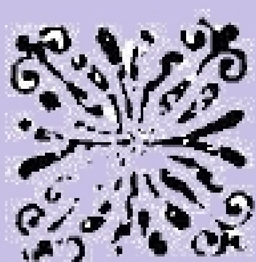
اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ

(الحجر، پ ۱۴، رکوع ۱)



ترجمۂ فرمان علی پر ایک نظر

جس میں واضح کیا گیا ہے کہ شیعہ تحریف قرآن کے قائل ہیں، اور قرآن کریم کو غلط مانتے ہیں۔ نیز حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں۔

تالیف

محمد یوسف لدھیانوی

علامہ بنوری ٹاؤن ○ کراچی ۵



سواد اعظم اہل سنت پاکستان

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ

(الحجر، پ ۱۴، رکوع ۱)



ترجمۂ فرمان علی پر ایک نظر

جس میں واضح کیا گیا ہے کہ شیعہ تحریف قرآن کے قائل ہیں، اور قرآن کریم کو غلط مانتے ہیں۔ نیز حضرات صحابہ کرامؓ اور اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں۔

تالیف

محمد یوسف لدھیانوی
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵



سوادِ اعظم اہل سنت پاکستان

کشاف کی روایت حضرت عثمانؓ کا جنت اور دیگر روح گردانی برخیرات زنا تمام گناہ کم ہو جاتے ہیں روایت باطل ہے بحوالہ روح المعانی ص۴۴
حضرت علیؓ تمام انبیاء سے افضل ص۷۵
جنت دوزخ المعہ جا قبضہ میں - تحت آیت ما القیامہ جہنم الخ ص۱۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: حال میں جناب سید فرمان علی شاہ صاحب کا ترجمۂ قرآن کریم مع فوائد تفسیریہ نظر سے گذرا، جو" پیر محمد ابراہیم ٹرسٹ - ۱۳۹ فاران ہاؤسنگ سوسائٹی، حیدر علی روڈ کراچی ۵ " کے زیر اہتمام شائع ہوا ہے۔ یہ ترجمہ پون صدی پہلے لکھا گیا تھا اور اسی زمانے میں مطبع نظامی سے شائع ہوا تھا، اب جناب سید نجم الحسن کراروی (پشاور) کی نظر ثانی اور اصلاح و ترمیم کے بعد دوبارہ شائع ہوا ہے۔ موصوف " سرلفظ " کے زیر عنوان اس ترجمہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"قرآن مجید کا زیر نظر ترجمہ حضرت علامہ حافظ سید فرمان علی صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہٗ (چندن پٹی ضلع دربھنگہ، صوبہ بہار، بھارت) کا کیا ہوا ہے اگرچہ علامہ موصوف بے پناہ قابلیت وصلاحیت کے مالک تھے اور ان کا ترجمۂ قرآن بھی بے انتہا خوبیوں سے بھرپور ہے اور بڑے بڑے علماء نے اسے سراہا اور تمام اردو ترجموں کا سرتاج قرار دیا جن میں فقیہ اعظم حجۃ الاسلام حضرت مولانا سید محمد باقر صاحب قبلہ مجتہد، عمدۃ المتالہین حجۃ الاسلام حضرت مولانا سید ظہور حسین صاحب، قبلہ مجتہد، وشمس

العلماء حجۃ الاسلام حضرت مولانا سید ناصر حسین صاحب قبلہ مجتہد، وشمس العلماء حجۃ الاسلام حضرت مولانا سید نجم الحسن قبلہ مجتہد، وعمدۃ العلماء حجۃ الاسلام حضرت سید کلب حسین صاحب قبلہ مجتہد اعلی اللہ مقامہم شامل ہیں۔"

اس ترجمہ پر نظر ثانی کی ضرورت کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لیکن بمقولہ "الانسان مرکب من الخطاء والنسیان" ترجمہ اور حواشی میں بھول چوک اور تسامح بعید از امکان نہیں۔ ... علامہ موصوف نے لازماً ترجمہ کرتے وقت تفاسیر محمدؐ و آل محمدؐ اور ان کے پاکیزہ ارشادات کو سامنے رکھا ہو گا لیکن بمقتضائے بشریت کسی مقصد، مطلب اور مفہوم کا نظر انداز ہو جانا غیر ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مقام پر حواشی میں تسامحات ہو گئے جن کی طرف نہ صرف ناچیز بلکہ خطیب اعظم حضرت مولانا سید محمد صاحب قبلہ دہلوی، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد مصطفےٰ صاحب قبلہ جوہر اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا آغا مرزا مہدی حسن صاحب قبلہ پویا اور بہت سے دیگر علماء کرام متوجہ تھے اور ہر ایک کی تمنا تھی کہ اس بے نظیر ترجمہ کو نظر ثانی کے بعد اس کے شایان شان انداز میں زیور طبع سے آراستہ کیا جائے..."

اس ترجمہ پر متعدد حضرات کی تقریظیں ثبت ہیں جن کے نام القاب کے ساتھ اس طرح لکھے گئے ہیں۔

۱ حضرت حجۃ الاسلام سرکار نجم العلماء مولانا السید نجم الحسن صاحب قبلہ

مجتہد العصر

۲۔ حضرت حجۃ الاسلام سرکار مولانا السید محمد باقر صاحب قبلہ مجتہد

۳۔ حضرت حجۃ الاسلام سرکار مولانا السید ظہور حسین صاحب قبلہ مجتہد

۴۔ حجۃ الاسلام عمدۃ العلماء جناب مولانا السید کلب حسین صاحب قبلہ مجتہد العصر۔

۵۔ صدر المحققین ناصر الملۃ والدین شمس العلماء جناب مولانا السید ناصر حسین صاحب قبلہ۔

اس ترجمہ کے بارے میں یہاں تک کہا گیا ہے:۔

"اگر کتاب اللہ اردو میں نازل ہوتی تو آپ کے ترجمہ میں اور اس میں ایک نقطہ کا فرق نہ ہوتا۔" (ص ۱۴)

دین کی دو بنیادیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے تو آپؐ کے بعد آپؐ کی چھوڑی ہوئی دو چیزیں دنیا میں موجود تھیں، ایک کتاب اللہ، جو حق تعالیٰ نے آپؐ پر ۲۳ سال میں نازل فرمائی اور جس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا۔ دوسری آپؐ کی جماعت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال کی محنت سے تیار کی، جس کی اصلاح و تربیت براہ راست وحی الٰہی کی نگرانی میں ہوئی، اور جسے آزمائش و امتحان میں پورا اترنے کے بعد "رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ" کے "تاج کرامت" سے سرفراز فرمایا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے لائے ہوئے دین کے قائم و دائم رہنے کا مدار انہی دو چیزوں پر

تھا "کتاب اللہ" اور "جماعت نبی" (صلی اللہ علیہ وسلم)

ظاہر ہے کہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد "کتاب اللہ" اپنی صحیح حالت میں محفوظ نہیں رہی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام باقی نہیں رہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تئیس سالہ محنت اور فیضانِ نبوت کے نتیجہ میں قدوسیوں کی جو جماعت تیار ہوئی تھی اور جن پر آپؐ کے بعد اسلام کی دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری عائد ہوئی ان کے بارے میں اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ پوری کی پوری جماعت یا اس کی غالب اکثریت خدا اور رسول سے منحرف ہو گئی تھی تو اس کا نتیجہ بھی اسلام کا خاتمہ ہے۔ کیونکہ بعد والوں کو جو کچھ ملا انہی کے واسطے سے ملا، وہی قرآن کے ناقل ہیں، انہی سے احادیث مروی ہیں۔ انہی سے دین کی ایک ایک بات منقول ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت اور آپؐ پر قرآن کریم کے نزول کے عینی شاہد بھی وہی ہیں، پس اگر "جماعت نبیؐ" لائق اعتماد نہ ہو تو نہ قرآن کریم لائق اعتماد رہتا ہے نہ دین اسلام کی کوئی بات، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کا کوئی ثبوت باقی رہتا ہے اور نہ اس امر کا کہ قرآن کریم واقعتاً آپ پر نازل ہوا تھا۔ الغرض "اصحاب رسولؐ" (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لائق اعتماد ہونے پر پورے دین کا مدار ہے۔ اگر وہ قابل اعتماد ہیں تو دین بھی لائق اعتماد ہے اور اگر وہ لائق اعتماد نہیں تو دین کی کوئی چیز بھی لائق اعتماد نہیں رہتی۔

ان دو بنیادوں کے بارے میں شیعی مسلک:

فاضل ترجمہ نگار جس مکتب فکر کے ترجمان ہیں اس کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہوتے ہی یہ دونوں چیزیں بگڑ گئیں، جماعت نبی بھی اور کتاب نبی بھی —— جماعت نبی تو اس طرح بگڑ گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم الٰہی فلاں صاحب کو اپنے بعد اپنا جانشین اور بنا دیا تھا۔ لیکن "جماعتِ نبی" میں سے ایک بھی ایسا نہ نکلا جس نے اس حکم کی تعمیل کی ہو، بلکہ سوائے تین چار کے باقی سب مرتد ہوگئے اور انہوں نے "وصی رسول" کی جگہ کسی دوسرے کو آپ کا جانشین بنا دیا اور یہ تین چار جو سچے مؤمن تھے انہوں نے بھی طوعاً و کرہاً اسی مرتد کی بیعت کر لی۔ بلکہ جن صاحب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحکم الٰہی اپنی جگہ نامزد کر گئے تھے اس نے بھی بامر مجبوری ایک مرتد کے ہاتھ میں ہاتھ دے دئے۔ یوں پوری کی پوری "جماعتِ رسول" مرتد ہوگئی اور جو تین چار افراد ارتداد سے بچے تھے وہ بھی مرتدین کے حلقہ بگوش اطاعت بن گئے۔ —— چونکہ "کتاب نبی" انہی مرتدین کے قبضہ میں تھی انہی کے زمانے میں جمع و تدوین ہوئی اس لئے اس میں جس طرح چاہا تصرف کیا اس طرح کتاب اللہ بھی تحریف و تبدیل سے پاک نہ رہی۔

شیعہ اور تقیہ

اس مسلک میں اخفا اور پردہ داری کی خاص اہمیت ہے۔ کوشش کی جاتی ہے کہ اس مسلک کا اصل عقیدہ راز سربستہ رہے

اور کسی طرح منظر عام پر نہ آئے۔ چنانچہ اخفاء و تقیہ کو دین کے دس حصوں میں سے نو حصے قرار دیا گیا ہے اور اکابرین مسلک کی جانب سے اخفاء و تقیہ کی تاکید بلیغ فرمائی گئی ہے اس مسلک کے ایک بزرگ فرماتے ہیں:-

التقیۃ من دینی ودین آبائی ولا دین لمن لا تقیۃ لہ

تقیہ میرا اور میرے باپ دادا کا دین ہے۔ جو تقیہ سے کام نہ لے وہ دین سے خارج ہے

(اصول کافی، باب التقیہ ص ۲۱۹ ج ۲)

انہی بزرگ کا یہ بھی ارشاد ہے:-

ان تسعۃ اعشار الدین فی التقیۃ ولا دین لمن لا تقیۃ لہ

دین کے دس حصوں میں سے نو حصے (۹/۱۰ دین) تقیہ میں ہے، اور جو تقیہ نہ کرے وہ بے دین ہے

(اصول کافی، باب التقیہ ص ۲۱۷ ج ۲)

اس لئے فاضل ترجمہ نگار نے اپنے مسلک کے اکابر کی ہدایت کے مطابق اخفاء و تقیہ کی کوشش کی ہے اس کے باوجود نوکِ قلم پر بعض ایسی چیزیں آگئی ہیں۔ جن میں اخفاء و تقیہ کی احتیاط ملحوظ نہیں رہ سکی اور اصل عقیدہ کا اظہار کسی نہ کسی طرح ہو کر رہا۔ موصوف کی ایسی نگارشات کا استیعاب تو طویل بھی ہے اور غیر ضروری بھی۔ یہاں بطور نمونہ قرآن کریم سے بد اعتقادی کے بارے میں موصوف کے خیالات ذکر کئے جاتے ہیں۔

شیعہ اور قرآن

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے شیعوں کا قرآن پر ایمان نہیں، بلکہ اسے تحریف شدہ سمجھتے ہیں۔اس سلسلہ میں جناب فرمان علی صاحب اوران کے تقریظ کنندگان کے اقرار ملاحظہ فرمایئے:

مترجم کا پہلا اقرار

سورہ الاحزاب کا چوتھا رکوع (آیات ۲۸ تا ۳۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات رض کے بارے میں ہے اسی ذیل میں آیت ۳۳ کا یہ جملہ بھی ہے:

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرًا (الاحزاب ۳۳)	اے (پیغمبر کے) اہل بیت! خدا تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم کو (ہر طرح کی) برائی سے دُور رکھے اور جو پاک و

پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا پاک و پاکیزہ رکھے (ترجمہ فرمان علی)

اس آیت کریمہ سے ماقبل بھی خطاب ازواج مطہرات رض سے چلا آتا ہے اور مابعد میں بھی انہی سے خطاب ہے چلا گیا ہے، اس لئے لامحالہ اس آیت کا خطاب بھی انہی سے ہے، ازواج مطہرات رض ہی کو "اہل بیت" کے ساتھ پکارا گیا ہے اور انہی سے ہر طرح کی بُرائی دور رکھنے اور پورے طور پر پاک و پاکیزہ رکھنے کا اعلان فرمایا گیا ہے۔ قرآن کریم کی اس نص قطعی سے ثابت ہوتا ہے کہ پاک نبی کی پاک بیویاں "اہل بیتِ نبیؐ" ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہن) اس لئے مسلمان جب بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج محترمات کا ذکر کرتے ہیں انہیں ازواجِ مطہرات رض کے لفظ سے یاد کرتے ہیں۔

قرآن کریم کا یہ اعلان کیونکہ جناب مترجم کے عقیدہ ومسلک کے خلاف ہے اس لئے پہلے تو وہ آیت کی غلط تاویل کرتے ہیں اور پھر قرآن کریم پر تحریف کی تہمت لگاتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

"اس امر پر تو تمام علماء کا اتفاق ہے اور سنیوں اور شیعوں میں سے کوئی اس کا مخالف نہیں کہ اہل بیتِ رسولؐ حضرت علیؓ جناب فاطمہ، امام حسن اور امام حسین ہیں اور اس میں بھی شک نہیں کہ یہ آیت انہی بزرگواروں کے بارے میں نازل ہوئی" (ص ۵)

موصوف کے یہ دونوں دعوے قطعاً غلط اور خلافِ واقعہ ہیں۔ اہلِ سنت میں ایک متنفس بھی اس کا قائل نہیں کہ اہلِ بیتِ رسولؐ صرف یہی چار بزرگ ہیں، اہلِ سنت کا مسلک یہ ہے کہ قرآن کریم میں جن "اہلِ

بیت" کا ذکر ہے اس سے تو صرف ازواجِ مطہرات مراد ہیں البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں بزرگوں کو بھی اہلِ بیت میں شامل فرما لیا جیسا کہ "سلمان منا اهل البيت" کہہ کر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو بھی شامل فرمایا، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چار بزرگوں کو اہلِ بیت میں شامل فرما کر ان کے حق میں بھی تطہیر کی دعا فرمائی۔ لہٰذا قرآن کریم کی رُو سے "اہل بیت" ازواج مطہرات ہیں اور قرآن کریم نے انہی کی تطہیر کا اعلان فرمایا ہے اور حدیث کی رُو سے یہ چار بزرگ بھی اہل بیت میں شامل ہیں اور ان کے لئے تطہیر کی دعا فرمائی گئی ہے۔ ے

ے نیز شیعہ عالم شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ اپنی کتاب درر الغرر میں لکھتے ہیں: حضرت ماریہ قبطیہ پر ان کے ایک رشتہ دار کے ساتھ (الزام) لگایا گیا تو حضور نے حضرت علی کو بھیجا قتل کرنے کو۔ تو وہ نامرد نکلے حضرت علی نے واپس آکر خبر دی تو حضور نے فرمایا الحمد للہ الذی یصرف عنا الرجس اهل البیت - بحوالہ آفتاب ہدایت صفحہ ۳۳۸ تو اس سے معلوم ہوا کہ اہلبیت ازواج مطہرات ہیں۔ الفقیر [illegible]

فاضل مترجم کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ آیت تطہیر سے ماقبل تمام تر خطاب ازواجِ مطہرات رضی سے چلا آ رہا ہے اور مابعد میں بھی انہی سے خطاب ہے۔ ناممکن ہے کہ درمیان میں آیت کا ٹکڑا ازواجِ مطہرات سے متعلق نہ ہو اور اسے کسی اور پر چسپاں کر دیا جائے۔ جناب مترجم نے اس عقدہ کا جو حل نکالا ہے وہ یہ ہے کہ اس مقام پر قرآن کریم میں تحریف کر دی گئی ہے، آیت کا یہ ٹکڑا کسی اور مقام کا تھا جسے یہاں داخل کر دیا گیا، موصوف لکھتے ہیں:۔

"اس آیت کو درمیان سے نکال لو اور ماقبل و مابعد کو ملا کر پڑھو تو کوئی خرابی نہیں ہوتی بلکہ ربط اور بڑھ جاتا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اس مقام کی نہیں بلکہ خوامخواہ کسی خاص غرض سے داخل کر دی گئی۔" (ص ۵۶۷)

جناب مصنف بغیر کسی جھجک کے صاف اقرار کرتے ہیں کہ ان

کے عقیدہ کے مطابق قرآنِ کریم میں ردّ و بدل کر دیا گیا، یعنے بقول ان کے جو آیت ازواجِ مطہرات رض کے بارے میں نہیں تھی اسے خود غرضوں نے کسی دوسری جگہ سے اٹھا کر ان آیات کے سلسلہ میں درج کر دیا جو ازواج مطہّرات سے متعلق ہیں۔ موصوف کی اس عبارت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ وہ جس مسلک کے نقیب اور داعی ہیں وہ تحریف قرآن کا عقیدہ رکھتا ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص قرآن کریم پر ایمان رکھتا ہو اسے یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ آیتِ تطہیر حضرات امہات المؤمنین کے بارے میں ہے اور قرآنِ کریم نے انہی کو "اہل بیت" فرمایا ہے۔ یہ "اہل بیت نبیؐ" کی کرامت ہے کہ ان سے بغض رکھنے والوں کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ قرآن کریم کو غلط اور تحریف شدہ کہہ کر دین و ایمان سے خارج ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح ارشاد فرمایا۔

الا ان مثل اهل بيتي فيكم مثل سفينة نوح من ركبها نجا ومن تخلف عنها هلك (مشکوٰۃ ص ۵۷۳)	سُن رکھو! بے شک میرے اہلِ بیت کی مثال سفینۂ نوح کی ہے جو شخص اس میں سوار ہوا بچ گیا اور جو اس سے پیچھے رہا ڈوب گیا

دُوسرا اقرار

جناب مصنف کی اہلِ بیت نبویؐ سے عداوت کا یہ عالم ہے کہ قرآن کریم دوسری جگہ "اہلِ بیت" کا لفظ آیا تو جناب مصنف کو جناب مصنف کو وہاں بھی یہی کہتے بنی کہ یہاں قرآن کریم میں ـــــ نعوذ باللہ

ـــــ تحریف کر دی گئی ہے۔ چنانچہ سورۂ ہود میں فرشتوں کا وہ مکالمہ مذکور ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ سے ہوا اور جس میں اُن کو "اہلِ بیت" سے خطاب کیا گیا:۔

رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت (ہود: ۷۳) — اے اہلِ بیت (نبوت) تم پر خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔

(ترجمہ فرمان علی)

اس کے حاشیہ میں مصنف لکھتے ہیں:

"اس مقام پر یہ شبہ نہ ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو خدا نے اہل بیت میں داخل کیا ہے کیونکہ اس کے قبل کی آیت میں جتنا خطاب ہے حضرت سارہ کی طرف ہے واحد مؤنث کے صیغہ ہیں۔ اور اس آیت میں کُمْ جمع مذکر حاضر کی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مخاطب کچھ اور لوگ ہیں اور یہ آیت یہاں خواہ مخواہ داخل کر دی گئی ہے۔"

یہاں بھی جناب مصنف نے اقرار کیا ہے کہ قرآن کریم میں تحریف کی گئی ہے اور جو آیت اس مقام کی نہیں تھی "وہ یہاں خواہ مخواہ داخل کر دی گئی ہے" قرآن کریم نے اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ کو "اہلِ بیت" کہہ دیا تو یہ کوئی جرم نہیں تھا کہ قرآن کریم ہی کو غلط اور تحریف شدہ کہہ دیا جاتا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ عزیز ذو انتقام ہے "اہل بیت" سے دشمنی رکھنے والوں کے مقابلے میں اس نے اپنی کتاب مقدس کو پیش کر دیا کہ اس آہنی دیوار

سے ٹکرا ٹکرا کر اپنا سر پھوڑتے رہیں ـــــ وکفی اللہ المؤمنین القتال۔

تیسرا اقرار

سورہ الم نشرح کی آیت کریمہ فاذا فرغت فانصب "قرآن کریم میں "فانصب" صاد کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ لیکن فاضل مترجم اس کو صاد کے کسرہ کے ساتھ قرار دیتے ہوئے اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

"تو اب جب کہ تم (تبلیغ کے اکثر کاموں سے) فارغ ہو چکے تو اپنا جانشین مقرر کر دیجئے"

اور حاشیہ میں اس کا یہ مطلب لکھتے ہیں:۔

"خدا نے دوسرا احسان جتایا کہ تم پر جو نبوت اور احکامِ خدا پہنچانے کا بوجھ بہت بڑا تھا اس کو علی بن ابی طالب کی خلافت و وزارت سے ہلکا کر دیا اور چونکہ اس حکم خدا یعنی حضرت علی کی خلافت کے اظہار کو حضرت رسولؐ بہت مشکل کام سمجھتے تھے۔ اس بنا پر اس خدا نے جس طرح دوسرے مقام پر دوسرے الفاظ میں فہمائش کی ہے اسی طرح یہاں بھی یوں فرمادیا کہ ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے، پھر وقت مقرر فرما دیا کہ جب تم آخری حج سے فارغ ہو تو خلیفہ مقرر کرو [1] اس کے بعد پھر خدا کی طرف رجوع کرو یعنی موت کی تیاری کرو"۔[2] (ص ۱۰۷۵)

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مصنف کی یہ ساری تشریح اس پر مبنی ہے کہ لفظ " فانصب" کو زیر کے ساتھ پڑھا جائے، جب کہ قرآن کریم میں فانصِب کا لفظ (زیر کے ساتھ) سرے سے ہے ہی نہیں۔ قرآن کریم میں تو " فانصَب" فتحہ کے ساتھ ہے۔ اس لئے موصوف کی مندرجہ بالا تشریح غلط بنیاد پر ٹیڑھی عمارت کھڑی کرنے کے مترادف ہے۔ چنانچہ مصنف نے خود ہی علامہ زمخشری کا یہ قول نقل کیا ہے:

ومن البدع ما روی عن بعض الرافضة انه قرأ فانصب بکسر الصاد۔ ای فانصب علیاً للامامة

اور یہ بات بدعات میں شامل ہے جو بعض رافضیوں سے نقل کی گئی ہے کہ اس نے " فانصب" کو صاد کے کسرہ کے ساتھ پڑھ کر یہ مطلب بیان کیا کہ علیؓ کو امامت کے لئے مقرر کر دو۔

(ترجمہ فرمان علی ضمیمہ ص۳)

لیکن مصنف نے ضمیمہ میں صفحہ ۲ سے صفحہ ۶ تک پورا زورِ قلم اس پر صرف کیا ہے کہ " فانصب" صاد کے کسرہ کے ساتھ صحیح ہے اور فتحہ کے ساتھ غلط اور تحریف شدہ ہے۔ موصوف کا کہنا ہے کہ قرآن کریم پر اعراب حجاج بن یوسف ثقفی نے لگوائے تھے اس نے " فانصب" کے اعراب میں تحریف کر کے کسرہ کو فتحہ سے

[1] یہ بھی عجیب تضاد ہے کہ ایک طرف یہ کہا جا رہا ہے کہ ہم نے علی کی خلافت وزارت کے ذریعہ آپ کا بوجھ ہلکا کر دیا اسی کے ساتھ یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ اب علی کو خلیفہ مقرر کر دو ستم بالائے ستم یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس نعمت عظمیٰ کو بہت مشکل سمجھتے تھے اور اس حکم ربی سے گریز کرتے تھے نعوذ باللہ[2] لیکن آنحضرتؐ نے اس حکم کی تعمیل اس طرح کی کہ مرض وفات میں اپنی جگہ ابوبکرؓ کو امام الصلوٰۃ مقرر کر کے حضرت علیؓ اور تمام صحابہ کو ان کا مقتدی بنا دیا۔ اگر آپ حضرت علیؓ کو خلیفہ بناتے تو امام الصلوٰۃ بھی انہی کو بناتے نہ کہ حضرت ابوبکرؓ کو

بدل دیا۔ (ضمیمہ حواشی ص ۴) گویا مصنف کو کھلے لفظوں میں اقرار ہے کہ اس مقام پر قرآن کریم میں تحریف ہوئی ہے۔

واضح رہے کہ فاضل مترجم کا یہ کہنا کہ یہاں " فانصب" بکسر صاد صحیح ہے اور بفتح صاد تحریف شدہ ہے، یہ قرآن کریم پر بہتان وافتراءٌ ہے، چنانچہ خود ان کے ہم مسلک علامہ محمد جوّاد حفنیہ صاحب، " التفسیر الکاشف" میں لکھتے ہیں۔

وتجدر الاشارة الی ان بعض المأجورین للفتنة و بث النعرات بین اهل المذاهب الاسلامیة قد نسب الی الشیعة الامامیة انهم یفسرون کلمة فانصب فی الآیة الکریمة بانصب علیا للخلافة ویکفی فی الرد علی هذا الافتراء ما قاله صاحب مجمع البیان، وهو من شیوخ المفسرین عند الشیعة الامامیة. قال عند تفسیر هذه الآیة ما نصه بالحروف: ومعنی النصب من النصب: وهو التعب لا تشتغل بالراحة

یہاں اشارۃً اس طرف بھی کر دینا مناسب ہے کہ بعض کرائے کے لوگ جنہیں فتنہ انگیزی اور اسلامی مذاہب کے درمیان تشویش پھیلانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے انہوں نے شیعہ امامیہ کی طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ وہ اس آیت کریمہ کے لفظ "فانصب" کی تشریح یہ کرتے ہیں کہ علیؓ کو خلافت کے لئے مقرر کر دو۔ اور اس افتراء کی تردید کے لئے صاحب مجمع البیان کا، جو شیعہ امامیہ کے نزدیک شیوخ مفسرین میں سے ہے، قول نقل کر دینا کافی ہے وہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ "النصب" کا لفظ نصب سے ہے۔

ص ۵۸۲ ج ۲ طبع بیروت) جس کے معنی تعب ومشقت کے ہیں،
یعنی راحت میں مشغول نہ ہو"

انتہٰی بلفظہ

غور فرمایئے کہ فاضل مترجم تو فانصب بفتح صاد کو غلط قرار دینے پر تین چار صفحے سیاہ کرتے ہیں اسے حجاج بن یوسف کی کارستانی بتاکر تحریف شدہ ثابت کرتے ہیں۔ اس کے بجائے فانصب بکسر صاد کو صحیح بتاتے ہیں۔ لیکن اُن کے ہم مسلک دوسرے صاحب ان کی اس بات کو افترا وبہتان کہتے ہیں اور جو لوگ ایسی بات کریں انہیں فتنہ انگیز اور کرائے کے لوگ کہتے ہیں۔ گویا یہ بھی قرآن کریم کا معجزہ ہے اور حضرات اہلِ بیت کی کرامت ہے کہ جو لوگ پردۂ تقیہ سے نکل کر اپنے عقیدۂ تحریفِ قرآن کا کچھ کچھ اظہار کر دیتے ہیں خود انہی کے ہم مسلک لوگ (از راہِ تقیہ) ان کو فتنہ انگیز اور" کرائے کے لوگ" کہہ کر ان کی بات کو بہتان اور افترا قرار دیتے ہیں۔ وکفی اللہ المؤمنین القتال۔ واقعی اس مسلک کے بزرگوں نے صحیح فرمایا تھا:

انکم علی دین من کتمہ اعزہ اللہ۔ ومن اذاعہ اذلہ اللہ (اصول کافی، باب الکتمان ص ۲۲۲ ج ۲)

تحقیق تم ایسے دین پر ہو کہ جو اس کو چھپائے گا اللہ اس کو عزت دیگا اور جو شخص اس کو ظاہر کرے گا اللہ اس کو ذلیل کرے گا۔

افسوس ہے کہ یہ حضرات "امام" کی نصیحت پر عمل نہیں کرتے اور اپنے اصل عقائد کا اظہار کرکے یہاں تک ذلیل ہوتے ہیں کہ اپنے ہی ہم مسلک لوگوں کی زبان سے "فتنہ انگیز" اور "کرائے کے لوگ" کا

خطاب پاتے ہیں۔

چوتھا اقرار

فاضل مترجم نے ایک طرف تو تین چار صفحوں تک پورا زور قلم اس بات پر صرف کر دیا کہ "فانصب" کا لفظ بکسر صاد صحیح ہے اور بفتح صاد غلط۔ اور حجاج بن یوسف کا تحریف کردہ ہے۔ لیکن اپنی طویل تحریر کے آخر میں وہ لکھتے ہیں:-

"لیکن ہم حکم امام کے مطابق اسی طرح تلاوت کرنا ضروری سمجھتے ہیں جس طرح موجودہ قرآن میں مرقوم ہے"

(ضمیمہ حواشی ص ۵)

گویا "فانصب" بفتح صاد ہے تو غلط، مگر جناب مصنف اور ان کے ہم عقیدہ حضرات حکمِ "امام" کے مطابق غلط کو غلط ہی پڑھنے پر مجبور ہیں۔ جناب مصنف نے اس چھوٹے سے فقرے میں اشاروں کنایوں میں کئی اہم اور پتے کی باتیں کہہ ڈالی ہیں۔

ایک یہ کہ ان کے عقیدہ کے مطابق قرآن دو ہیں ایک "موجودہ قرآن" جسے وہ قول امام کی بناء پر تحریف شدہ سمجھتے ہیں، دوسرا اصلی قرآن جو تحریف سے پاک ہے مگر دنیا سے غائب ہے۔ فاضل مترجم، جس قرآن کو صحیح سمجھتے ہیں اس کا دنیا میں کہیں وجود نہیں اور جو قرآن دنیا میں موجود ہے اس پر وہ ایمان نہیں رکھتے بلکہ اسے غلط اور تحریف شدہ سمجھتے ہیں۔

دوم یہ کہ فاضل مترجم اپنے امام کی جانب سے اس امر کے

مکلف اور پابند ہیں کہ وہ موجودہ قرآن کو (مع اس کی تحریفات کے)
اسی طرح پڑھتے پڑھاتے رہیں۔ ہمارے خیال میں تو جناب محمد جواد
مغنیہ صاحب کے بقول یہ بھی امام پر بہتان و افتراء ہے "امام" نے
ہرگز ایسا نہیں فرمایا ہوگا۔ کیونکہ کوئی صحیح الدماغ شخص نہ قرآن کریم
کو تحریف شدہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہے اور نہ غلط کو غلط پڑھنا
منشا خداوندی قرار دے سکتا ہے۔ لیکن فاضل مترجم کو اصرار ہے
کہ ان کے "امام" قرآن کریم کو غلط بھی کہتے تھے، ساتھ ہی اس کی تصحیح
سے منع بھی فرماتے تھے۔ اور غلط کو بدستور کلام اللہ کی حیثیت سے پڑھتے
رہنے کی تاکید فرماتے تھے۔ اگر امام نے واقعی کوئی ایسا حکم دیا ہے جس
کی تعمیل فاضل مترجم اور ان کے ہم عقیدہ حضرات ضروری سمجھتے ہیں۔
تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ قرآن غلط اور تحریف شدہ ہے اور
وہ اس کے محفوظ اور عین ما انزل اللہ ہونے پر ایمان نہیں رکھتے
تو اس کے پڑھنے پڑھانے سے کیا فائدہ؟ اور جناب امام نے ایسی
غلط بات کا کیوں حکم فرمایا؟ اس کی وجہ شاید یہ ہوگی کہ اگر یہ
بھید کھل گیا کہ "امام" اور ان کے شیعہ قرآن کریم پر ایمان نہیں رکھتے
تو مسلمان ان کو خارج از اسلام سمجھیں گے اور ان کا شمار یہودیوں اور
مجوسیوں کی صف میں ہونے لگے گا۔ اس لئے امام نے تقیہ کا حکم
دیا ہوگا۔ تاکہ مسلمان ان سے دھوکے میں رہیں اور ان کے شیعوں کو
اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کی تخریب اور مسلمانوں کے ایمان متزلزل
کرنے کا موقع ملتا رہے۔۔۔ گویا امام یہ چاہتے تھے کہ ان کے مقتدی
ہمیشہ عبد اللہ بن ابی اور عبد اللہ بن سبا کے نقش قدم پر گامزن

رہیں۔ یخادعون اللہ والذین اٰمنوا وما یخدعون الا انفسھم وما
یشعرون۔

سوم: فاضل مترجم کی مندرجہ بالا تحریر سے یہ بھی معلوم ہوا
کہ "امام" کا کام شیعوں کو ہدایت کی تعلیم دینا نہیں بلکہ گمراہ کرنا
ہے، کیونکہ "فانصب" بفتح صاد امام کے نزدیک غلط اور تحریف شدہ
ہے لیکن وہ اپنے شیعوں کو حکم فرماتے ہیں کہ غلط کو غلط ہی پڑھو۔
ظاہر ہے کہ ان کے سارے لوگوں کو تو یہ علم نہیں ہوگا کہ ہمیں غلط
کو غلط سمجھ کر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، بہت سے شیعہ ایسے بھی ہوں
گے جو اس تحریف شدہ لفظ کو ارشادِ خداوندی سمجھ کر پڑھیں گے اور
غلط الفاظ کو کلام الٰہی سمجھ کر غلط پڑھنا یقیناً افتراء علی اللہ ہے، گویا فاضل
مترجم کے نزدیک ان کے "امام" نے شیعوں کو حکم فرمایا کہ وہ قیامت
تک افتراء علی اللہ کرتے رہیں، اور ضلالت و گمراہی کی وادیوں میں
بھٹکتے رہیں۔

چہارم: فاضل مترجم کی تحریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ اپنے "امام"
کے کیسے مطیع اور فرمانبردار ہیں۔ "امام" خواہ کیسا ہی مہمل اور خلاف
عقل و شرع حکم صادر فرمائیں یہ بے چون و چرا اس کی تعمیل کرتے ہیں،
اگر امام حکم دے کہ قرآن کو غلط کہہ کر کافر بنو اور اسے غلط پڑھ کر
خدا پر افتراء کرو تو یہ اس کی تعمیل کو بھی حاضر ہیں، ان کے نزدیک
حکمِ امام کے مطابق قرآن کریم کو جھٹلانا اور اسے غلط اور محرف کہنا
تو جائز ہے مگر امام کے حکم سے سرتابی ناجائز ہے۔ ع برین عقل و
دانش بباید گریست۔

تعجب ہوتا ہے کہ فاضل مترجم کے ہم مسلک راویوں نے کیسی غلط اور زندیقانہ روائیتیں "اماموں" کی طرف منسوب کر کے انہیں قرآن سے بڑھ کر تقدس کا درجہ دیدیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

امام تو لوگوں کو ہدایت کی دعوت دیا کرتے ہیں۔ ایسی گمراہ کن تعلیم "امام" کی طرف منسوب کرنا بدترین تہمت ہے، یقیناً ایسی روایتیں زندیقوں نے خود گھڑ کر انہیں تقدس کا درجہ دینے کے لئے "اماموں" کی طرف منسوب کر دیا ہے، اماموں کا دامن اس کفر و زندقہ سے یقیناً پاک ہے، لیکن فاضل مترجم ایسی زندیقانہ روایتوں اور ان کے راویوں پر قرآن سے بڑھ کر ایمان رکھتے ہیں، ان کے نزدیک خدا اور رسول کے فرمودات کی اتنی اہمیت نہیں جتنی کہ ان روایتوں کی جو زنادقہ نے گھڑ کر "اماموں" سے منسوب کر ڈالی چنانچہ وہ ان روایتوں کو صحیح مان کر قرآن کو غلط کہنے کی جسارت کرتے ہیں۔

پانچواں اقرار

قرآن کریم میں حق تعالےٰ کا ارشاد ہے:۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون (الحجر: ۹) بیشک ہم ہی نے تو قرآن نازل کیا اور ہم ہی تو اس کے نگہبان ہیں۔

(ترجمہ: فرمان علی)

یہ آیت کریمہ ان لوگوں کے عقیدہ کی جڑ کاٹ دیتی ہے جو قرآن کریم کو تحریف شدہ کہتے ہیں کیونکہ جب حق تعالےٰ شانہٗ اس کتاب مقدس کی حفاظت و نگہبانی کا وعدہ فرما چکے ہیں تو ـــــ

ـــــ یہ کہنا وعدۂ الٰہی کی تکذیب ہے کہ قرآن میں ردّ و بدل کر دیا گیا

جناب مترجم سے یہ تو نہ ہو سکا کہ اس ارشاد خداوندی کو برحق سمجھ کر تحریف قرآن کے عقیدے سے توبہ کر لیتے اور امام کی طرف تحریف قرآن کی جو روائیتیں منسوب کی گئی ہیں ان کو دروغ باطل اور کذب و افترا تصور کرتے، لیکن جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا ہے ان کے نزدیک امام کی طرف منسوب کی گئی روایات کی قدر و قیمت فرمودۂ خداوندی سے بڑھ کر ہے اس لئے انہوں نے اس آیت کریمہ کی ایسی تاویل کر ڈالی۔ جس سے ان کے امام کے عقیدۂ تحریف پر کوئی آنچ نہ آئے۔ چنانچہ اس آیت کریمہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:۔

"ذکر سے ایک تو قرآن مراد ہے۔ تب اس کی نگہبانی کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کو ضائع و برباد ہونے نہ دیں گے۔ پس اگر تمام دنیا میں ایک نسخہ بھی قرآن مجید کا اپنی اصلی حالت پر باقی ہو تب بھی یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ محفوظ ہے ـــــ اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا ہے کہ اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اس زمانہ تک قرآن مجید میں کیا کیا تغیرات ہو گئے ہیں کم سے کم اس میں تو شک ہی نہیں کہ ترتیب بالکل الٹ دی گئی۔ اور یہ مطلب بھی نہیں کہ ہر ہر لفظ کو محفوظ رکھیں گے۔ کیونکہ اس زمانے میں چھاپہ خانوں کی طرف سے روزانہ سینکڑوں ہزاروں اوراق

قرآن کے برباد کئے جاتے ہیں۔

دوسرے ذکر سے مراد جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تب مطلب یہ ہوگا کہ کفار کے شر سے خدا آپ کو محفوظ رکھے گا۔ (ص ۴۶۹)

فاضل مترجم کی مندرجہ بالا عبارت میں چند باتیں قابل توجہ ہیں

اول یہ کہ ان کے نزدیک قرآن کریم کی حفاظت و نگہبانی کا جو وعدہ اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ قرآن کریم جو شرقاً وغرباً مسلمانوں کے پاس موجود ہے اور جس کے ہزاروں لاکھوں حافظ دنیا کے ہر خطے میں ہر زمانے میں موجود رہے ہیں۔ اور وعدۂ الٰہی کے مطابق انشاء اللہ تعالٰے قیامت تک رہیں گے، وہ تغیر وتبدل سے محفوظ ہے، بلکہ ان کے نزدیک حفاظتِ قرآن کا یہ مطلب ہے کہ قرآن کریم کا "ایک صحیح نسخہ" اپنی اصلی حالت پر رہے گا۔۔۔ اس "ایک صحیح نسخہ" سے ان کی مراد غالباً وہ نسخہ ہے جو امام غائب کے ساتھ غار میں محفوظ ہے۔ چنانچہ اصول کافی کتاب فضل القرآن میں ہے۔

عن سالم بن سلمة قال قرأ رجل علی ابی عبد الله علیه السلام وانا استمع حروفا من القرآن لیس علی ما یقرءها الناس فقال ابوعبد الله علیه السلام کف عن هذه القراءة. اقرء کما یقرأ الناس حتی یقوم القائم فاذا قام القائم قرأ کتاب الله عزوجل علی حدّه۔ واخرج المصحف الذی کتبهٗ علیؑ وقال اخرجه علیؑ الی الناس حین فرغ منه وکتبه. فقال لهم هذا کتاب الله عزوجلّ کما انزله الله علی محمد صلی الله علیه وسلم وقد جمعته من اللوحین فقالوا هوذا عندنا مصحف جامع فیه القرآن لاحاجة لنا فیه. فقال اما والله ما ترونه بعد یومکم هٰذا ابدًا انما کان علیّ ان اخبرکم حین جمعته لتقرؤوه۔

سالم بن سلمہ کہتے ہیں کہ میرے سامنے ایک شخص نے امام جعفر صادقؒ کی خدمت میں قرآن کریم پڑھا جس کے الفاظ ایسے تھے جو اس قرآن میں نہیں جسے لوگ پڑھتے ہیں۔ امام نے فرمایا کہ ابھی اس قرآن کے پڑھنے سے باز رہو۔ بلکہ اسی طرح پڑھو جس طرح لوگ پڑھتے ہیں، جب تک کہ امام مہدی کا ظہور نہ ہو۔ جب امام مہدی ظاہر ہوں گے تو کتاب اللہ کو اپنی حد پر پڑھیں گے۔

اور امام جعفرؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لکھا ہوا قرآن نکالا۔ اور فرمایا کہ حضرت علیؓ اس کو لکھ کر فارغ ہوئے تو اسے لوگوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا یہ ہے وہ قرآن جو اللہ تعالٰے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا تھا۔ میں نے اس کو دو لوحوں سے جمع کر لیا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ہمارے پاس جامع قرآن موجود ہے ہمیں تمہارے قرآن کی ضرورت نہیں آپؓ نے فرمایا کہ بخدا! تم اس قرآن کو آج کے بعد کبھی نہ دیکھ سکو گے۔ مجھ پر لازم تھا کہ تمہیں اپنے جمع کردہ قرآن سے آگاہ کروں تاکہ تم اسے پڑھو۔ (اصول کافی ص ۶۳۲ ج۲ مطبوعہ تہران ۱۳۸۸ھ)

ملا باقر مجلسی، حق الیقین میں لکھتے ہیں:۔

پس بخواند قرآن را بنحوی کہ حق تعالٰے بر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نازل ساختہ بے آنکہ تغییر یافتہ باشد و تبدیل یافتہ باشد چنانچہ در قرآن ہائے دیگر شد (حق الیقین ص ۳۵۸ مطبوعہ طہران ۱۳۵۴ شمسی ہجری)

پس امام مہدی قرآن کو اس طرح پڑھیں گے کہ حق تعالٰے نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا بغیر اس کے کہ اس میں کوئی تغیّر وتبدل ہوا ہو۔ جیسا کہ دوسرے قرآنوں میں تغیّر وتبدل ہوگیا ہے

فاضل مصنف کے نزدیک "قرآن کریم کا ایک صحیح نسخہ" جو دنیا میں موجود ہے اس سے یہی غار والا قرآن مراد ہے جو امام مہدی کے ساتھ غائب ہے۔ اس کے علاوہ دنیا میں قرآن کریم کا کوئی صحیح نسخہ ان کے نزدیک موجود نہیں۔ اور چونکہ قرآن کریم ہی اسلام کی تعلیمات کی بنیاد ہے اس لئے جب قرآن غائب ہے تو گویا اسلام کی بنیاد ہی غائب ہے، جن مجوسی اور یہودیوں منافقوں نے تحریف قرآن کی روائتیں گھڑ گھڑ کر اماموں کی طرف منسوب کیں ان کا مقصد و مدعا بھی یہی تھا کہ اسلام کی بنیاد ہی کو منہدم کر دیا جائے۔ تاکہ لوگوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے میں آسانی ہو۔ اللہ تعالٰے نے اپنی حکمت بالغہ سے اُن کے تمام مکائد کو خاک میں ملا دیا۔ لیکن فاضل مترجم اور ان کے ہم عقیدہ حضرات بدستور انہی مجوسیوں اور یہودیوں کی تقلید پر فخر کر رہے ہیں۔

دوم: فاضل مترجم لکھتے ہیں:۔

"اس (آیت) کا مطلب یہ نہیں کہ اس میں (قرآن مجید میں) کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اس زمانہ تک قرآن مجید میں کیا کیا تغیرات ہو گئے ہیں"

ایک مسلمان کا تو یہی عقیدہ ہے کہ قرآن کریم کو جس طرح ——— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر دنیا سے تشریف لے گئے تھے وہ بغیر کسی ادنیٰ تغیّر و تبدل کے جوں کا توں محفوظ ہے اور انشاء اللہ قیامت تک رہے گا۔ اور یہ ایک ایسی صداقت ہے۔ جسے انصاف پسند غیر مسلم بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ واقعہ یہ ہے جو شخص کتاب اللہ کو محرف و مبدل مانتا ہے وہ کتاب اللہ پر ایمان ہی نہیں رکھتا اور نہ اسلام میں اس کا کوئی حصہ ہے، کیونکہ قرآن کریم کو تحریف شدہ فرض کر لینے کے بعد قرآن کریم کے کسی حرف پر اور دین اسلام کی کسی بات پر اعتماد نہیں رہ جاتا؟ ۔ اصول کافی کے محشی علامہ علی اکبر غفاری کے بقول:

لانہ لو کان تطرق التحریف والتغییر فی الفاظ القرآن لم یبق لنا اعتماد علی شیء منہ. اذ علی ھذا یحتمل کل آیۃ منہ ان تکون محرفۃ ومغیرۃ وتکون علی خلاف ما انزلہ

کیونکہ اگر قرآن کے الفاظ میں تحریف اور تغیر و تبدل فرض کر لیا جائے تو ہمارے لئے اس کے کسی حرف پر اعتماد و ایمان کی کوئی صورت نہیں رہ جاتی کیونکہ اس صورت میں قرآن کی ہر آیت میں یہ احتمال ہے کہ وہ تحریف شدہ اور تبدیل شدہ ہو

الله. فلايكون القرآن حجة لنا. تنتفي فائدته. وفائدة الامر باتباعه والوصية به. وعرض الاخبار المتعارضة عليه

(حاشیہ اصول کافی ص ۶۳۱ ج ۲)

اور ما انزل اللہ کے خلاف ہو۔ پس قرآن ہمارے لئے حجت نہیں رہ جاتا اس کا فائدہ ختم ہو جاتا ہے اور قرآن کی پیروی کی تاکید و وصیت اور متعارض اخبار کو قرآن پر پیش کرنے کی وصیت بے کار ہو کر رہ جاتی ہے

بات معقول ہے جو شخص قرآن کریم کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ اس میں تغیر و تبدل کر دیا گیا ہے اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو مسلمان بھی کہے اور قرآن کے ترجمہ و تفسیر پر بھی قلم اٹھائے اس سے بڑھ کر "عقلمند" کون ہو سکتا ہے۔ فاضل مترجم نے یہ تو صراحت کر دی کہ ان کے نزدیک قرآن مجید میں بہت سے تغیرات ہوئے ہیں جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ قرآن کریم کو تغیر و تبدل سے پاک نہیں سمجھتے ہیں، نہ قرآن کریم کے ایک ایک حرف منزل من اللہ ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن فاضل مترجم نے یہ تشریح نہیں کی کہ قرآن کریم میں کیا تغیرات ہوئے ہیں۔ اس کی تفصیل ان کے مسلک کی دوسری کتابوں میں موجود ہے کہ قرآن کریم میں پانچ قسم کی تبدیلی کر دی گئی :

۱۔ قرآن کریم کا بہت سا حصہ نعوذ باللہ ساقط کر دیا گیا
۲۔ بہت سی باتیں اپنی طرف سے ملا دی گئیں۔
۳۔ الفاظ بدل دئے گئے۔
۴۔ حروف بدل دئے گئے۔
۵۔ آیتوں، سورتوں اور کلمات کی ترتیب بدل دی گئی۔

چنانچہ علامہ حسین بن محمد تقی نوری طبرسی اپنی کتاب "فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب" میں جو خاص اسی موضوع پر لکھی گئی ہے، لکھتے ہیں :۔

كان الامير المؤمنين عليه السلام قرآنا مخصوصا جمعه بنفسه بعد وفات رسول الله صلى الله عليه وآله وعرضه على القوم فاعرضوا عنه، فحجبه عن اعينهم وكان عند ولده عليه السلام يتوارثونه امام عن امام كسائر خصائص الامامة وخزائن النبوة وهو عند الحجة عجل الله فرجه. يظهره للناس بعد ظهوره ويأمرهم بقراءته وهو مخالف لهذا القرآن من حيث التاليف وترتيب السور والآيات بل الكلمات ايضا ومن جهة الزيادة والنقيصة. وحيث ان الحق مع علي عليه السلام وعلي مع الحق ففي القرآن الموجود

امیر المؤمنین علیہ السلام کا ایک قرآن مخصوص تھا جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خود جمع کیا تھا۔ اور اس کو صحابہ کے سامنے پیش کیا مگر ان لوگوں نے توجہ نہ دی لہٰذا آپ نے اس قرآن کو لوگوں کے نظروں سے پوشیدہ کر دیا۔ اور وہ قرآن آپ کی اولاد کے پاس رہا ایک امام سے دوسرے امام کو میراث میں ملتا رہا جیسے دیگر خصائص امامت اور خزائن نبوت۔ اور اب وہ قرآن کریم امام مہدی کے پاس ہے، خدا ان کی مشکل جلد آسان کرے۔ وہ اپنے ظاہر ہونے کے بعد اس قرآن کو ظاہر کریں گے اور لوگوں کو ان کی تلاوت کا حکم دیں گے۔ اور وہ قرآن اس قرآن موجود کے خلاف ہے سورتوں اور آیتوں بلکہ کلمات کی ترتیب میں بھی، اور کمی بیشی کے لحاظ سے بھی چونکہ

تغيير من جهتين وهــو المطلوب (ص۹۷)

حق علی کے ساتھ ہے اور علی حق کے ساتھ ہیں لہٰذا ثابت ہوگیا کہ قرآن موجود میں دونوں اعتبار سے تحریف ہے اور یہی ہمارا مدعا ہے۔

احتجاج طبرسی میں ص۱۱۹ سے ص۱۳۱ تک ایک طویل روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب کی گئی ہے کہ ایک زندیق نے آپ کی خدمت میں قرآن کریم پر کچھ اعتراضات کئے آپ نے اس کے جواب میں بار بار اس بات کو دہرایا کہ قرآن میں منافقوں نے تحریف کر دی ہے۔ اس کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

الف" زندیق کا ایک اعتراض یہ تھا کہ قرآن کریم میں فرمایا ہے[۱] "ذان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامٰی فانکحوا ما طاب لکم من النسآء مثنٰی وثلاث ورباع" (النسآء : ۳) اور اگر تم کو اندیشہ ہو کہ نکاح کر کے تم یتیم (کی رکھ رکھاؤ) میں انصاف نہ کر سکو گے تو اور عورتوں سے اپنی مرضی کے موافق دو دو اور تین تین اور چار چار نکاح کرو۔" (ترجمہ فرمان علی)

زندیق نے کہا کہ آیت کی شرط وجزاء کے درمیان کوئی جوڑ نہیں یہ کہنا کہ اگر یتیموں کے حق میں انصاف نہ کر سکو تو دو دو، تین تین، چار چار عورتوں سے نکاح کر لو۔ بالکل بے جوڑ بات ہے۔ حضرت امیرؓ اس اعتراض کے

[۱] قرآن کریم میں "فان خفتم" نہیں "وان خفتم" ہے زندیق تو خیر زندیق تھا وہ قرآن کو کیوں صحیح پڑھتا تعجب ہے کہ جناب امام نے بھی اپنے جواب میں آیت کو غلط ہی نقل کیا۔

جواب میں فرماتے ہیں:

واما ظهورك على تناكر قوله فان خفتم ان لا تقسطوا فى اليتامٰى فانكحوا ما طاب لكم من النساء وليس يشبه القسط فى اليتامٰى نكاح النسآء ولا كل النساء ايتامًا فهو بما قدمت ذكره من اسقاط المنافقين من القرآن وبين القول فى اليتامٰى وبين نكاح النساء من الخطاب والقصص اكثر من ثلث القرآن۔ وهذا ما اشبهه مما ظهرت حوادث المنافقين فيه لاهل النظر والتامل ووجدا المعطلون واهل الملل المخالفة للاسلام

اور تجھ کو جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامٰی فانکحوا ما طاب لکم من النساء" میں اشکال ہوا ہے کہ یتیموں کے حق میں انصاف کرنا عورتوں سے نکاح کرنے کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتا اور نہ ساری عورتیں یتیم ہوتی ہیں پس اس کی وجہ وہی جو میں پہلے تجھ سے ذکر کر چکا ہوں کہ منافقوں نے قرآن میں سے بہت کچھ نکال ڈالا۔ فی الیتامٰی اور فانکحوا کے درمیان بہت سے احکام اور قصے تھے۔ جو تہائی قرآن یعنی دس پارے سے زیادہ تھے۔ وہ سب نکال ڈالے اس وجہ سے بے ربطی ہوگئی[۱] منافقوں کی اس قسم کی تحریفات

[۱] آیت کریمہ کے مضمون میں کوئی بے ربطی نہیں جیسا کہ جناب فرمان علی صاحب کے ترجمہ ہی سے واضح ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے ان کے ساتھ منصفانہ برتاؤ نہیں کر سکو گے تو انکے بجائے دوسری عورتیں کچھ کم نہیں چاہو تو دو دو، تین تین چار چار تک نکاح کر سکتے ہو۔ تعجب ہے کہ جناب امام زندیق کے اس معمولی اعتراض سے لاجواب ہو جاتے ہیں اور انہیں قرآن کریم پر تحریف کی تہمت دھرنے کے سوا کوئی جواب نہیں سوجھتا۔ کاش جناب امام نے جناب فرمان علی کا ترجمہ ہی دیکھ لیا ہوتا

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

مساغالی القدح فی القرآن (ص ۱۴۸)

سے، جو اہل نظر وتامل کو ظاہر ہوجاتی ہیں بے دینوں اور اسلام کے مخالفوں کو قرآن پر اعتراض کرنے کا موقعہ مل گیا۔ ؎

ب: زندیق کا ایک اعتراض یہ تھا کہ اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت تمام نبیوں پر بیان کی ہے حالانکہ قرآن میں جتنی آپ کی تعریف ہے اس سے کہیں بڑھ کر آپ کی توہین و تنقیص کی گئی ہے اور ایسی تنقیص کسی اور نبی کی نہیں جناب امیر نے زندیق کے اس اعتراض کو تسلیم کرتے ہوئے زندیق کو بتایا کہ :۔

والذی بدا فی الکتاب من الازدرأعلی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ من فریۃ الملحدین	کتاب اللہ میں جو برائی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے یہ ملحدوں کی افترا ہوتی ہے (یعنے جامعین قرآن کی بڑھائی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ تو انہیں قرآن کو محرف کہنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ مگر ہم حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کے دامن کو اس سے پاک سمجھتے ہیں ہمارے نزدیک یہ ان پر اتہام ہے اور اس کے مجرم وہ زندیق ہیں جنہوں نے تحریف قرآن کی دو ہزار سے زیادہ روایتیں گھڑ گھڑ کر حضرت امیرؓ اور دیگر اکابر کی طرف منسوب کر دی ہیں۔

؎ یہ بھی خوب کہی، قرآن کریم کو صحیح ماننے سے تو بے دینوں اور مخالفین اسلام کو قرآن پر اعتراض کا موقعہ مل جاتا ہے لیکن قرآن کو تحریف شدہ کہنے سے گویا تمام اعتراضات ختم ہوجاتے ہیں کیونکہ قرآن کو غلط کہہ دینے سے نہ قرآن باقی رہتا ہے نہ دین اسلام۔ کسی چیز کا وجود ہو تو کوئی اس پر اعتراض کرے جناب امام نے اعتراض سے بچنے کیلئے قرآن ہی کو غلط اور تحریف شدہ فرمادیا۔ گویا نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ امام کے نام پر ایسی روایتیں گھڑنے والے کتنے ذہین تھے۔ جنہوں نے امام کی آڑ لے کر قرآن اور اسلام کی جڑ پر تبر چلادیا۔

(ص ۱۳۰) ہوتی ہے۔ نعوذ باللہ) ؎

ج: اس زندیق کا ایک اعتراض یہ تھا کہ قرآن کریم میں انبیاء کرام کی لغزشوں کو تو ان کے ناموں کی صراحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے لیکن منافقوں اور ظالموں کے ناموں کی کہیں صراحت نہیں کی گئی۔ انہیں گول مول الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ جناب امیر نے اس کا جو نفیس جواب دیا وہ یہ تھا۔

ان الکنایۃ عن اصحاب الجرائر العظیمۃ من المنافقین فی القرآن لیست من فعلہ تعالیٰ وانہا فعل المغیرین والمبدلین الذین جعلو القرآن عضین واعتاضوا الدنیا بالدین (ص ۱۲۴)	بڑے بڑے مجرموں اور منافقوں کو قرآن میں جو کنایہ کے الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے یہ اللہ تعالےٰ کا فعل نہیں بلکہ ان تحریف وتبدیل کرنے والوں کا فعل ہے جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اور دین کے بدلے دنیا وصول کی۔

د: اسی روایت میں ہے کہ جناب امیر نے زندیق سے فرمایا:۔

ولو شرحت لک ما اسقط و حرف وبدّل فما یجری ھٰذی المجریٰ لطال و ظھر ما تحظر التقیہ اظھارہٗ	اگر میں تیرے سامنے ان تمام آیتوں کی تفصیل بیان کروں جو قرآن سے نکال دی گئیں، جن میں تحریف کر دی گئی اور جن کو تبدیل کر دیا گیا

؎ یہ بھی امام کا کمال علمی ہے قرآن کریم کی ایک آیت بھی ایسی نہیں جس میں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص کی گئی ہو مگر امام کی طرف ایسی روایتیں منسوب کرنے والوں کے دل اندھے تھے انہیں قرآن کریم پر امام کی زبانی افترا کرنا مقصود تھا اور بس۔

(ص: ١٢٨)

نیز اسی طرح کی جو اور کارروائیاں کی گئیں تو بہت لمبی بات ہو جائے گی اور تقیہ جس چیز کے اظہار سے مانع ہے وہ ظاہر ہو جائے گی۔

نیر اسی روایت میں یہ بھی فرمایا:۔

ولیس یسوغ مع عموم التقیه التصریح باسماء المبدلین ولا الزیادة فی اٰیاته علیٰ ما اثبتوه من تلقائهم فی الکتاب. لما فی ذٰلك من تقویه حجج اهل التعطیل والکفر والملل المنحرفة عن ملتنا وابطال هٰذا العلم الظاهر الذی استکان له الموافق والمخالف

(ص ١٢٥)

اور ضرورتِ تقیہ کی بناء پر اس کی گنجائش نہیں کہ میں ان لوگوں کے نام بتاؤں جنہوں نے قرآن میں تبدیلی کر ڈالی اور نہ میں اس زیادتی کو بتا سکتا ہوں جو انہوں نے اپنی طرف سے کتاب اللہ میں کی کیونکہ اس سے اہلِ تعطیل و کفر اور ملل مخالفہ اسلام ـــــ کی تائید ہوتی ہے اور اس علم ظاہر کا ابطال ہوتا ہے جس کے موافق اور مخالف سب قائل ہیں[1]۔

---

[1] یہ بھی خوب کہی۔ قرآن کریم کو غلط اور محرف کہنے اور حاملینِ قرآن کو منافق کہنے سے تو تقیہ مانع نہیں۔ نہ اس سے اہل کفر کی تائید ہوتی ہے نہ علم ظاہر کا ابطال ہوتا ہے لیکن اس سے تقیہ مانع ہے کہ غلط مقامات کی نشاندہی ہی کر دی جائے تاکہ باقی قرآن تو قابل اعتماد ہو۔ مگر جناب امام کے معصوم تقیہ کی روایت گھڑنے والوں کا مقصد تو پورے قرآن کو مشکوک ٹھہرانا تھا جس میں وہ ناکام رہے۔ واللہ متم نورہٖ ولو کرہ الکافرون۔

و: نیز اسی روایت میں ہے:۔

لوعلم المنافقون لعنهم الله من ترك هٰذه الایات التی بینت لك تاویلها لاسقطوها مع ما اسقطوا منه۔

(ص ١٢٨)

اگر منافقوں کو ـ خدا ان کو لعنت کرے ـ معلوم ہو جاتا کہ ان آیتوں کے باقی رکھنے میں کیا خرابی ہے جن کی تاویل میں نے بیان کی تو جس طرح اور آیتیں نکالی تھیں ان آیتوں کو بھی نکال دیتے

ز: اسی روایت میں ہے کہ جناب امیر نے زندیق کے سامنے جمعِ قرآن کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

ثم دفعهم الاضطرار بورود المسائل عما لا یعلمون تاویله الیٰ جمعهٖ وتاویله وتضمینه من تلقائهم ما یقیمون به دعائم کفرهم فصرح منادیهم من کان عندهٗ شیء من القراٰن فلیاتنا بهٖ ووکلوا تالیفهٗ ونظمه الیٰ بعض من وافقهم الیٰ معاداة اولیاء الله فالفه علی اختیارهم

(ص ١٣٠)

پھر جب ان منافقوں سے وہ مسائل دریافت کئے گئے جن کو وہ نہیں جانتے تھے تو وہ مجبور ہوئے کہ قرآن کو جمع کریں اس کی تفسیر کریں۔ اور قرآن میں وہ باتیں اپنی جانب سے بڑھائیں جن سے وہ اپنے کفر کے ستون قائم کریں۔ لہٰذا ان کے منادی نے اعلان کیا کہ جس کے پاس کوئی حصہ قرآن کا ہو وہ ہمارے پاس لائے اور ان منافقوں نے قرآن کی جمع و ترتیب کا کام اس شخص کے سپرد کیا جو دوستانِ خدا کی دشمنی میں ان کا ہم خیال تھا اور اس نے ان کی پسند کے موافق قرآن کو جمع کیا۔

ج : جناب امیر نے اس زندیق کو یہ بھی بتایا کہ :

وزاد وافیه ما ظهر تناکره وتنافره (ص ، ۱۳۰)	انہوں نے قرآن میں وہ عبارتیں بڑھا دیں۔ جن کا خلاف فصاحت اور قابلِ نفرت ہونا ظاہر ہے۔

ز : نیز یہ بھی بتایا کہ :

انهم اثبتوا فی الکتاب ما لم یقله الله لیلبسوا علی الخلیقة (ص - ۱۲۵)	ان منافقوں نے قرآن میں وہ باتیں درج کر دیں جو اللہ تعالےٰ نے نہیں فرمائی تھیں۔ تاکہ مخلوق کو فریب دے سکیں۔

یہ ہیں فاضل مترجم کے عقیدے کے مطابق وہ تغیّرات جن کی طرف موصوف نے یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ "یہ ظاہر ہے کہ اس زمانے تک قرآن مجید میں کیا کیا تغیرات ہوئے ہیں"۔

سوم : فاضل مترجم لکھتے ہیں :

"کم سے کم اس میں تو شک ہی نہیں کہ ترتیب تو بالکل بدل دی گئی"۔

ان کا یہ دعوٰی ایک اور ثبوت ہے اس بات کا کہ وہ قرآن کریم کے غیر مبدل محفوظ اور منزل من اللہ ہونے پر ایمان نہیں رکھتے ورنہ کوئی مسلمان جو قرآن کریم کو خدا کی کتاب مانتا ہو اس کا قائل نہیں ہو سکتا کہ قرآن کریم کی ترتیب بدل دی گئی۔

علامہ نصیر الاجتہادی کا ارشاد :

ہمارے دور کے ایک ممتاز شیعہ رہنما جناب نصیر الاجتہادی صاحب نے ۱۰ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ کو شام غریباں کی مجلس سے خطاب کرتے ہوئے ضمناً "قرآن کریم کی عصمت" پر بھی اظہار خیال فرمایا ان کی یہ تقریر پاکستان ٹیلی وژن سے ٹیلی کاسٹ کی گئی۔ راقم الحروف کے پاس اس کی کیسٹ محفوظ ہے موصوف نے فرمایا :

"قرآن جو ہے وہ الحمد للہ سے لے کر والناس تک صدق ہے عصمت ہے، طہارت ہے، یعنی معصوم ہے، اور کتابوں میں تحریف ہوئی توراۃ میں، انجیل میں، تحریف ہے، لیکن قرآن میں کوئی تحریف نہیں، اور معلوم ہونا چاہیئے کہ قرآن عہدِ نبوت سے لے کر آج کے دن تک اور قیامت کے دن تک غیر محرف ہے، اس میں کوئی تحریف نہیں، کوئی ترمیم نہیں، کوئی کمی نہیں، کوئی زیادتی نہیں، انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون (ہم نے قرآن اتارا ہے ہم اس کی حفاظت کریں گے) لہٰذا ہر مسلمان کا عقیدہ یہ ہونا چاہیئے کہ قرآن جیسا عہدِ نبوت میں تھا ویسے ہی آج ہے۔ جیسے آج ہے ویسے قیامت تک رہے گا کیونکہ وعدۂ رب کریم ہے، جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ تو قرآن میں نہ کمی ہے، نہ زیادتی ہے، نہ تحریف ہے،

نہ ترمیم ہے پہلے جتنے پارے تھے اتنے ہی آج بھی پارے ہیں۔ کوئی فرق نہیں، تیس پارے ایک سو چودہ سورے اس میں پہلے بھی تھے آج بھی ہیں۔ یہودی مستشرقین چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کریں اور قرآن کے بارے میں عقائد متزلزل کریں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اس یہودی سازش میں نہ آنا قرآن جو ہے وہ وہی تیس پارے ہیں۔ کوئی فرقہ ایسا نہیں اسلام کا جس کا قرآن الگ ہو، جدا ہو، فقہ الگ ہو سکتی ہے، تعبیر سنت الگ ہو سکتی ہے، تعبیر حدیث الگ ہو سکتی ہے، ترجمہ الگ ہو سکتا ہے، قرآن کسی کا الگ نہیں، سب کا قرآن ایک ہے۔ تو یہودی مستشرقین کی سازش پر نہ جاؤ کہتے ہیں کہ کسی کے پاس چالیس پارے ہیں، کسی کے پاس ۳۰ پارے ہیں، ارے پارے چھپے ہوئے ہیں چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ قرآن حکیم جو ہے وہ معصوم ہے۔"

جناب نصیر الاجتہادی صاحب کا یہ اعلان حق، اگر بربنائے تقیہ نہیں تو لائق صد ستائش ہے۔ موصوف کے اس ارشاد کے مطابق وہ تمام لوگ جنہوں نے تحریف قرآن کا افسانہ بطور عقیدہ اپنی کتابوں میں درج کیا وہ سب یا تو یہودی تھے یا یہودیوں کے نقیب تھے، مثلاً:-

الف: سید فرمان علی شاہ صاحب جنہوں نے زیر نظر ترجمہ میں تحریف قرآن کا عقیدہ درج کیا۔

ب: وہ تمام شیعہ علماء اور مجتہد، جنہوں نے اس ترجمہ کی تصدیق کی۔

ج: "پیر محمد ابراہیم ٹرسٹ"، جس نے یہ ترجمہ شائع کیا۔

ظاہر ہے کہ جو لوگ بھی اس ترجمہ پر اعتماد کریں گے قرآن کے بارے میں ان کا عقیدہ متزلزل ہو گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس یہودی سازش کو ناکام بنایا جائے۔ اس ترجمہ کو ضبط کر کے اس کے ناشرین کے خلاف مقدمہ چلایا جائے۔

اسی طرح جن لوگوں نے اپنی کتابوں میں تحریف قرآن کی روایتیں نقل کر کے ان کی تصدیق کی اور ان کے مطابق تحریف قرآن کا عقیدہ ظاہر کیا وہ بھی موصوف کے بقول یہودی سازش کا شکار ہیں۔

واضح رہے کہ شیعہ کی کتابوں میں تحریف قرآن کی دو ہزار سے زیادہ روایتیں اماموں کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ اور علماء شیعہ نے تین باتوں کا کھل کر اقرار کیا ہے

اول: یہ روایتیں متواتر ہیں

دوم: یہ کہ قرآن کریم کی تحریف پر صریح ہیں۔

سوم: یہ کہ شیعوں کا عقیدہ ان روایات کے مطابق یہی ہے کہ قرآن (نعوذ باللہ) تحریف شدہ ہے۔ چنانچہ "فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب"، سے، جو تحریف قرآن کے ثبوت میں ایک شیعی عالم علامہ حسین بن محمد تقی نوری طبرسی کی تالیف ہے، چند حوالے یہاں نقل کئے جاتے ہیں:

الف: الدلیل الحادی عشر: تحریف قرآن کی گیارہویں دلیل: وہ الاخبار الکثیرۃ المعتبرۃ الصریحۃ بہت سی روایات ہیں۔ جو معتبر ہیں

في وقوع السقط ودخول النقصان في الموجود من القرآن زيادةً على ما مر في ضمن الادلة السابقة، وانه اقل عن تمام ما نزل اعجازًا على قلب سيد الانس والجان من غير اختصاصها بآية او سورة وهي متفرقة في الكتب المتفرقة التي عليها المعول عند الاصحاب جمعت ما عثرت عليها في هذا الباب (ص ٢١١)

اور قرآنِ موجود میں کمی اور نقصان کے واقع ہونے پر صراحتًا دلالت کرتی ہیں۔ علاوہ ان روایات کے جو گذشتہ دلائل کے ضمن میں گذر چکی ہیں۔ یہ روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ موجودہ قرآن مقدارِ نزول سے بہت کم ہے اور یہ کمی کسی آیت یا سورہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اور یہ روایات ان متفرق کتابوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ جن پر ہمارے مذہب کا اعتماد ہے میں نے اس باب میں وہ روایات جمع کردی ہیں جو میری نظر سے گذریں۔

اس کے بعد **مصنف** نے بکثرت شیعہ کتابوں کے نام گنائے ہیں اور روایات تحریف کے انبار جمع کئے ہیں۔

ب: الدليل الثاني عشر: الاخبار الواردة في الموارد المخصوصة من القرآن الدالة على تغيير بعض الكلمات والايات والسور باحدى السور المتقدمة

تحریفِ قرآن کی بارہویں دلیل: وہ احادیث ہیں جو قرآن کے مخصوص مقامات کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اور جو کلمات، آیات اور سورتوں کے تغیر و تبدل پر دلالت کرتی ہیں۔ اور یہ روایات بہت ہی زیادہ ہیں،

وهي كثيرة جدا حتى قال السيد نعمت الله الجزائري في بعض مؤلفاته كما حكي عنه ان الاخبار الدالة على ذلك تزيد على الفي حديث وادعى استفاضتها جماعة كالمفيد والمحقق الداماد والعلامة المجلسي وغيرهم: بل الشيخ ايضا صرح في التبيان بكثرتهما بل ادعى تواترها جماعة ياتي ذكرهم في اخر المبحث ونحن نذكر منها ما يصدق دعواهم

واعلم ان تلك الاخبار منقولة من الكتب المعتبرة التي عليها معول اصحابنا في اثبات الاحكام والاثار النبوية

(ص ٢٢٧ ومابعد)

حتی کہ سید نعمت اللہ الجزائری نے اپنی بعض تصانیف میں کہا ہے جیسا کہ ان سے نقل کیا گیا ہے کہ جو روایات تحریفِ قرآن پر دلالت کرتی ہیں وہ وہ دو ہزار سے بھی زیادہ ہیں اور ایک جماعت نے ان کے مستفیض ہونے کا دعوٰی کیا ہے جیسے مفید، محقق داماد اور علامہ مجلسی وغیرہ: بلکہ شیخ نے تبیان میں بھی تصریح کی ہے کہ یہ روایات بہت زیادہ ہیں۔ بلکہ ایک جماعت نے، جن کا ذکر آخر بحث میں آئے گا۔ ان کے متواتر ہونے کا دعوٰی کیا ہے اور ہم ان روایات میں سے اتنی مقدار ذکر کریں گے۔ جس سے ان حضرات کے دعوی کی تصدیق ہوتی ہے۔

جاننا چاہیئے کہ تحریف کی یہ روائتیں ان معتبر کتابوں سے نقل کی گئی ہیں جن پر ہمارے اصحاب کا اعتماد ہے احکام شرعیہ کے ثابت کرنے اور آثارِ نبویہ کے نقل کرنے میں۔

ج : نیز علامہ مجلسی کا قول نقل کیا ہے کہ:

وعندی ان الاخبار فی هذا الباب متواترة معنی وطرح جمیعها یوجب رفع الاعتماد عن الاخبار رأسًا، بل ظنی ان الاخبار فی هذا الباب لا یقصر عن اخبار الامامة فکیف یثبتونها بالخبر۔

(ص — ۳۲۹)

میرے نزدیک تحریف قرآن کی روائتیں معنًا متواتر ہیں اور ان سب روایتوں کو ترک کر دینے سے ہماری تمام کی تمام احادیث سے یکسر اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ بلکہ میرا خیال یہ ہے کہ تحریف قرآن کی روائتیں مسئلہ امامت کی روایتوں سے کسی طرح کم نہیں، پس اگر تحریف قرآن کی روائتوں کا اعتبار نہیں تو مسئلہ امامت کو روایتوں سے کیسے ثابت کرتے ہیں۔

د : فصل الکتاب میں ایک اور جگہ لکھا ہے:

قال السید المحدث الجزائری فی الانوار ما معناه ان الاصحاب قد اطبقوا علی صحة الاخبار المستفیضة بل المتواترة الدالة بصریحها علی وقوع التحریف فی القرآن کلامًا ومادة واعرابًا والتصدیق بها

ص ۳۰)

سید محدث جزائری نے انوار میں لکھا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ اصحاب امامیہ نے —— اتفاق کیا ہے مستفیض بلکہ متواتر روایات کی صحت پر جو صراحتاً قرآن کے محرف ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ تحریف کلام میں بھی ہے، مادہ میں بھی، اور اعراب میں بھی اور اتفاق کیا ان روایات کی تصدیق پر۔

مندرجہ بالا حوالوں سے مندرجہ ذیل نتائج حاصل ہوئے۔

۱ : شیعہ کتابوں میں دو ہزار سے زیادہ روائتیں ائمہ معصومین کی طرف منسوب کی گئی ہیں کہ قرآن کریم (نعوذ باللہ) تحریف شدہ ہے اور ان کے مقابلے میں ائمہ معصومین کی ایک روایت بھی نہیں جس کا مضمون یہ ہو کہ قرآن کریم تحریف سے پاک ہے اور جوں کا توں محفوظ ہے۔

۲- دو ہزار روائتیں اکابر علمائے شیعہ کے نزدیک متواتر ہیں۔ جو ان کی معتبر کتابوں میں بکھری ہوئی ہیں:

۳- یہ روایات باتفاق علماء شیعہ صحیح ہیں۔

۴- اور یہ روائتیں تحریف قرآن پر نص صریح ہیں۔

۵- یہ روایات نہ صرف روایات امامت کے ہم پلہ ہیں بلکہ ان سے بھی بڑھ کر ہیں، پس اگر ان پر اعتماد نہ کیا جائے تو مسئلہ امامت بھی، جو شیعہ مذہب کا بنیادی پتھر ہے، ناقابل اعتماد قرار پاتا ہے اور شیعہ مذہب کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے۔ گویا اگر شیعہ مذہب کو مانا جائے تو قرآن کریم کی تحریف کا عقیدہ لازم ہے۔ اور اگر قرآن کریم کو صحیح اور تحریف سے پاک مانا جائے تو شیعہ مذہب خود بخود غلط ہو جاتا ہے

اب شیعہ اکابر کا عقیدہ ملاحظہ فرمایئے:

فصل الخطاب میں ہے کہ آیا قرآن میں کوئی تغیر و تبدل ہوا ہے یا نہیں؟ اس میں ہمارے علماء کے دو قول مشہور ہیں، اول یہ کہ اس میں تبدلی اور کمی ہوئی ہے اور یہ مندرجہ ذیل علماء شیعہ کا مذہب ہے:

۱۔ شیخ جلیل علی بن ابراہیم قمی ۔مصنف تفسیر قمی

۲۔ ثقۃ الاسلام کلینی ۔ مصنف الکافی

۳۔ الثقۃ الجلیل محمد بن حسن صفار ۔ مصنف کتاب البصائر ۔

۴۔ الثقہ محمد بن ابراہیم نعمانی تلمیذ کلینی ۔مصنف کتاب الغیبت

۵۔ الثقہ الجلیل سعید بن عبد اللہ قمی ۔مصنف کتاب ناسخ القرآن و منسوخہ

۶۔ سید علی بن احمد کوفی ۔مصنف کتاب بدع المحدثہ

۷ اجلۃ المفسرین والمتہم الشیخ الجلیل محمد بن مسعود عیاشی ۔

۸۔ شیخ فرات بن ابراہیم الکوفی

۹۔ الثقۃ الثقہ محمد بن عباس الماہیار

۱۰۔ الشیخ الاعظم محمد بن محمد بن نعمان المفید

۱۱۔ شیخ المتکلمین ومتقدم نختیین ابو سہل اسمٰعیل بن نوبخت ۔مصنف کتب کثیرہ

۱۲ الشیخ المتکلم الفیلسوف ابو محمد حسن بن موسیٰ ۔مصنف تصانیف جیدہ ۔

۱۳۔ الشیخ الجلیل ابو اسحٰق ابراہیم بن نوبخت ،مصنف کتاب الیاقوت

۱۴۔ اسحاق کاتب ۔جس نے امام مہدی کو دیکھا ہے ۔ خدا امام موصوف کی مشکل جلد آسان کرے ۔

۱۵۔ رئیس الطائفہ ،جس کے معصوم ہونے کا قول کیا گیا ہے یعنی شیخ ابو القاسم حسین بن روح بن ابی بحر النوبختی ، جو شیعوں کے اور امام مہدی کے درمیان تیسرے سفیر تھے ۔

۱۶۔ العالم الفاضل المتکلم حاجب بن لیث بن سراج ۔

۱۷۔ الشیخ الثقہ الجلیل الاقدم فضل بن شاذان مصنف کتاب الایضاح

۱۸۔ الشیخ الجلیل محمد بن حسن شیبانی مصنف تفسیر نہج البیان ۔

۱۹۔ الشیخ الثقۃ احمد بن محمد بن خالد برقی مصنف کتاب المحاسن

۲۰ الثقہ محمد بن خالد ۔مصنف کتاب التنزیل والتفسیر

۲۱ الشیخ الثقہ علی بن حسن بن فضال مصنف کتاب التنزیل من القرآن والتحریف ۔

۲۲۔ محمد بن حسن الصیرفی ۔مصنف کتاب التحریف والتبدیل

۲۳ احمد بن محمد بن سیار ۔مصنف کتاب القراءات یا کتاب التنزیل والتحریف ۔

۲۴۔ الثقۃ الجلیل محمد بن عباس بن علی بن مروان ماہیار مصنف تفسیر ۔

۲۵۔ ابو طاہر عبد الواحد بن عمر قمی ۔

۲۶۔ الجلیل محمد بن علی بن شہر آشوب ؛ مصنف کتاب المناقب وکتاب المثالب ۔

۲۷۔ شیخ احمد بن ابی طالب طبرسی ۔مصنف کتاب الاحتجاج [1]

۲۸۔ مولیٰ محمد صالح ۔مصنف شرح الکافی ۔

۲۹ فاضل سید علی خان ۔مصنف شرح الصحیفہ

---

[1] مصنف احتجاج نے اس کا عہد کیا ہے کہ وہ صرف وہی روایتیں ذکر کریں گے جن پر (شیعوں کا) اجماع ہے یا وہ موافق ومخالف کے درمیان مشہور ہیں یا دلیل عقل سے ثابت ہیں موصوف نے دس سے زیادہ صریح روائتیں نقل کی ہیں (فصل الخطاب ص۳۱) احتجاج طبرسی کی ایک روایت کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے ۔

۳۰۔ مولیٰ مہدی نراقی

۳۱۔ الاستاذ الاکبر بہبہانی، مصنف الفوائد

۳۲۔ محقق قمی

۳۳۔ شیخ ابو الحسن شریف، مصنف تفسیر مرأۃ الانوار[1]

۳۴۔ شیخ علی بن محمد مقابی مصنف مشرق الانوار

۳۵۔ السید الجلیل علی بن طاؤس، مصنف فلاح السائل۔ سعد السعود

۳۶۔ اور یہی مذہب ہے جمہور محدثین (شیعہ) کا جن کے کلمات پر ہم کو اطلاع ہوئی ہے۔ (فصل الخطاب صہ ۲۵ تا صہ ۳۱)

دوسرا قول یہ ہے کہ قرآن کریم میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا اور یہ کہ پورا قرآن جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا وہ لوگوں کے ہاتھ میں بین الدفتین موجود ہے۔ صدوق نے عقائد میں، سید مرتضے نے، شیخ الطائفہ نے تبیان میں اور شیخ ابو علی طبرسی نے مجمع البیان میں یہی مسلک اختیار کیا ہے۔

ولم یعرف من القدماء	اور متقدمین شیعہ میں سے کوئی ایسا شخص
موافق لهم الا ما حكاه	معلوم نہیں جو عدم تحریف کے عقیدے
المفيد عن جماعة	میں ان کا موافق ہو بجز اس کے جو مفید

[1] صاحب فصل الخطاب لکھتے ہیں: وجعلہ فی تفسیرالمسمّٰی بمرأۃ الانوار من ضروریات مذہب التشیع واکبر مفاسد غصب الخلافۃ بعد تتبع الاخبار وتصفح الآثار (صہ ۳۱) یعنی ابو الحسن شریف نے اخبار کی تتبع تلاش اور آثار کی چھان بین کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ تحریف قرآن کا عقیدہ مذہب تشیع کے ضروریات میں سے ہے اور غصب خلافت کا سب سے بدترین نتیجہ ہے۔

من اهل الامامة والظاهر	نے اہل امامت کی ایک جماعت
انه اراد الصدوق واتباعه	سے نقل کیا ہے اور بظاہر اس سے مراد
(فصل الخطاب صہ ۳۳)	صدوق اور اس کے متبعین ہیں۔
والی طبقته لم يعرف الخلاف	اور شیخ ابو علی طبرسی کے طبقہ تک اختلاف
الا من هٰذهِ المشائخ الاربعة	معروف نہیں تھا۔ مگر انہی چار مشائخ کا۔

(ص۔ ۳۴)

فصل الخطاب کے ان حوالوں سے مندرجہ ذیل نتائج ظاہر ہوئے

۱۔ متقدمین شیعہ تمام کے تمام تحریف قرآن کے قائل تھے۔ جن میں بانیان مذہب شیعہ بھی شامل ہیں، وہ لوگ بھی جنہوں نے خود امام مہدی کی زیارت کی ہے، وہ لوگ بھی جو امام غائب اور شیعوں کے درمیان سفارت کا مقدس فریضہ انجام دیتے رہے اور جنہیں شیعہ معصوم تک مانتے ہیں، اور وہ لوگ بھی جن کی کتابوں کو امام غائب نے ملاحظہ فرما کر ان کی تصدیق فرمائی۔ الغرض کل کے کل اساطین شیعہ تحریف قرآن کے قائل تھے۔

۲۔ تحریف قرآن کا عقیدہ شیعہ مذہب کی ضروریات اور ان کے نظریۂ غصب خلافت کے قطعی لوازم میں سے ہے، کیونکہ شیعہ مذہب کی بنیاد اس پر ہے کہ حضرات خلفائے راشدین (نعوذ باللہ) ظالم و غاصب تھے۔ انہوں نے خلافت، جو حضرت علیؓ کا حق تھا۔ چھین لی اور دین سے پھر گئے اور باقی تمام صحابہ نے ان کی طوعًا و کرہًا موافقت کی، قرآن کریم انہی کے واسطے سے بعد کی امت تک منتقل ہوا۔ اس لئے شیعوں کے عقیدۂ غصب خلافت کو تسلیم کر لینے کے بعد ناممکن ہے کہ قرآن

کریم کو صحیح اور محفوظ مانا جائے۔

۴۔ شیعہ علماء میں گنتی کے چار شخص ہیں جو قرآن کریم کو غیر محرف مانتے ہیں اور ان کا یہ اظہار بھی محض تقیہ کی وجہ سے ہے ورنہ خود انہی کے کلام سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم (نعوذ باللہ) تحریف شدہ ہے۔ جیساکہ مصنف فصل الخطاب نے ان سے ایک ایک جملہ پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اور ان میں سے بعض کے تقیہ کی تصریح کر کے باقیوں کے قول کی توجیہہ کے لئے اس کا حوالہ دیا ہے (دیکھیئے فصل الخطاب صـ ۳۲ ومابعد) اگر جناب نصیر الاجتہادی کے بقول تحریف قرآن کا افسانہ یہودیوں کا اڑایا ہوا ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بانیان مذہب شیعہ اور متقدمین شیعہ سب کے سب یہودی تھے، جنہوں نے نہ صرف تحریف قرآن کا عقیدہ گھڑ کر ائمہ کی طرف منسوب کر دیا۔ بلکہ وصایت، خلافت بلا فصل، تقیہ، متعہ اور خلفائے راشدین رضؓ کے ظلم وجور کی داستانیں گھڑ گھڑ کر شیعوں میں پھیلا دیں۔ اور شیعہ بے چارے جناب نصیر الاجتہادی کے بقول اس یہودی سازش کا شکار ہو گئے۔ ؎

یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔

باب دوم

اصحاب رسول ﷺ شیعہ کی نظر میں

حضرات صحابہ کرام، خصوصاً حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی فضیلت ومنقبت کسی تشریح و وضاحت کی محتاج نہیں، یہ وہ مقدس جماعت ہے جسے پوری انسانیت میں سے چھانٹ کر اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و رفاقت کے لیے منتخب کیا۔ جسے "خیر امت" کا لقب دیا۔ جسے "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" کے تاج کرامت سے سرفراز فرمایا۔ جناب مصنف جس مسلک سے تعلق رکھتے ہیں اس کے نزدیک اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض و عداوت رکھنا، ان کی توہین وتنقیص کرنا اور ان کے خلاف جھوٹے افسانے تراش کر انہیں بدنام کرنا شاید سب سے بڑی عبادت ہے۔ چنانچہ مصنف نے بھی اس "عبادت عظمٰی" کا ثواب حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ چند نمونے ملاحظہ فرمائیے:

الف: عام صحابہ کرام رضؓ

جناب مصنف نے دیباچہ میں قرآن کریم کے مضامین کی ایک طویل فہرست دی ہے۔ جس میں مختلف عنوانات کے تحت قرآن کریم کی آیات کے حوالے دئیے ہیں۔ صفحہ ۱۴ پر ایک عنوان ہے: "بعض اصحاب کی مذمت" اس کے تحت مصنف نے درج ذیل حوالے دئیے ہیں:

سورۂ آل عمران: آیات ۱۰۶، ۱۴۲ تا ۱۴۴، ۱۴۹، ۱۵۲ تا ۱۵۸، ۱۶۵ تا ۱۶۸۔

سورہ التوبہ: آیات: ۲۵، ۳۸، ۳۹، ۴۱ تا ۴۳، ۴۵ تا ۵۹، ۶۱، ۷۰، ۷۳ تا ۸۷، ۹۰، ۹۳، ۹۴، ۹۸ تا ۱۰۰، ۱۱۰، ۱۲۵ تا ۱۲۷

سورۃ النور: آیت ۵۴

سورۂ الاحزاب: آیات ۹ تا ۲۱، ۵۳، ۵۴، ۵۷، ۵۸

سورۂ محمد: آیات ۲۰، ۲۲

سورۂ فتح: آیت ۶

سورۂ صف: آیات ۲، ۳

سورۂ جمعہ: آیت: ۱۱

سورہ تطفیف: آیات ۲۹، ۳۳

جناب مصنف ان حوالوں سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے "بعض اصحاب" کی مذمت کرتا ہے۔ حالانکہ جو آیتیں انہوں نے نقل کی ہیں۔ ان میں سے بہت سی کفار و منافقین کے بارے میں ہیں۔ مثلاً: مصنف نے سورۂ توبہ کی آیات ۶۱ تا ۷۰ کا حوالہ دیا ہے جو سب کی سب منافقین کے بارے میں ہیں اور خود مصنف نے ان آیات پر "منافقین کے تذکرے" کا عنوان دو جگہ قائم کیا ہے۔ (دیکھیئے ص۳۵۱، ص۳۵۳) اسی طرح مصنف نے اسی سورہ کی آیات ۷۳ تا ۸۷ کا حوالہ بھی دیا ہے۔

حالانکہ ان آیات پر خود مصنف نے یہ سرخیاں لگائی ہیں "منافقین کا ذکر" (ص۳۵۵) اور "منافقین ہرگز نہ بخشے جائیں گے"، اسی سورہ کی آیات ۱۲۵ تا ۱۲۷ کا بھی مصنف نے حوالہ دیا ہے، حالانکہ ان آیات پر

خود یہ سُرخی لگائی ہے۔ "کفار کی مذمت"

انصاف فرمائیے: کہ جو آیات کفار و منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہوں ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر چسپاں کرنا کیا کسی مسلمان کا کام ہو سکتا ہے۔

ب: مہاجرین و انصار

قرآن کریم کی بہت سی آیات میں حضرات مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کی مدح فرمائی گئی ہے اور ان کا پوری امت سے افضل و برتر ہونا ذکر کیا گیا ہے ان آیات پر ایمان رکھا جائے تو جناب مصنف اور اس کے گروہ کا عقیدہ ھباءً منثوراً ہو کر رہ جاتا ہے اس لئے جناب مصنف نے کہیں تو ان آیات سے خاموشی سے گذر جانے میں عافیت سمجھی ہے اور کہیں اپنے عقیدہ کے مطابق ان آیات میں تاویلات باردہ کی کوشش کی ہے مثلاً سورۂ الانفال کی آیت ۷۴ (جس میں مہاجرین و انصار کی مدح ہے) کے تحت لکھتے ہیں:

> "یہ آیت اور اس کے قبل کی آیت بھی مہاجرین و انصار کی تعریف میں نازل ہوئی ہے اور اس میں شک بھی نہیں کہ ان میں اکثر ایسے ہی تھے۔ اور بعض تو اولیاء کاملین سے تھے، مگر کچھ ایسے بھی تھے جو رسول اللہ کی وفات کے بعد اپنے عہد پر قائم نہ رہے۔ اور آل رسولؐ سے بری طرح پیش آئے۔ اور یہ جو بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ چار پانچ کے سوا کوئی اچھا نہ تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جان و مال آبرو و عزت کی کچھ بھی پرواہ نہ کر کے

اہل بیت کا ساتھ دینے والے چار پانچ تھے۔ ورنہ بہت سے لوگ اصحابِ رسول ؐ سے خوش صفات اور صاحب ایمان تھے۔ مگر آبرو یا جان و مال یا اولاد کے خوف سے کچھ بول نہ سکتے تھے، اور جب موقعہ خالی پاتے تو بولتے بھی تھے۔" (ص۳۳۳)

مصنف نے جن "بعض احادیث" کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہیں، اصول کافی کتاب الروضہ میں ہے:

عن ابی جعفر قال کان الناس اهل ردة بعد النبی صلی الله علیه وسلم الا ثلاثة. فقلت، ومن الثلاثة؟ فقال المقداد بن الاسود وابوذر الغفاری وسلمان الفارسی رحمة الله وبرکاته علیهم ثم عرف الناس بعد یسیر. وقال هؤلاء الذین دارت علیهم الرحار وابوا ان یبایعوا حتی جاؤا بامیر المؤمنین علیه السلام مکرها فبایع (ص۲۴۶ طبع ایران ۱۳۸۹ھ)

امام ابو جعفر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب لوگ مرتد ہو گئے تھے۔ سوائے تین آدمیوں کے۔ میں نے پوچھا وہ تین کون تھے؟ فرمایا، مقداد بن اسود، ابوذر غفاریؓ، سلمان فارسی پھر کچھ دیر کے بعد کچھ اور لوگوں نے بھی حق پہچانا۔ اور فرمایا کہ یہ وہ لوگ تھے جن پر چکی چلی اور انہوں نے بیعت سے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ لوگ امیر المؤمنین کو زبردستی لائے پس آپ نے بیعت کی۔ (تب ان تین شخصوں نے بیعت کر لی۔)

رجال کشی ص۸ میں ہے:۔

ارتد الناس الا ثلثة نفر — سب لوگ مرتد ہو گئے سوائے تین نفر کے۔
سلمان وابوذر والمقداد — سلمان، ابوذر، مقداد۔ اور اگر تم چاہو کہ کوئی

وان اردت الذی لم یشك ولم یدخله شیء فالمقداد — ایسا شخص ہو جس نے بالکل شک نہ کیا ہو اور نہ اس میں کوئی داغ ہو تو وہ صرف مقداد ہیں۔

۳- احتجاج طبرسی مطبوعہ ایران میں ہے:

ما من الامة عن احد بایع مکرهًا غیر علی و اربعتنا۔ — امت میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس نے ابوبکر کے ہاتھ پر دلی رضامندی کے بغیر بیعت کی ہو سوائے علیؓ کے اور ہمارے چار شخصوں کے۔

۴- جناب مصنف لکھتے ہیں:

"دنیا کا سلف سے یہی دستور چلا آتا ہے کہ دین حق کو پہلے بے چارے غرباء ہی نے قبول کیا، حضرت رسول ؐ کے واسطے بھی یہی ہوا کہ اپنے اہل بیت کے علاوہ سچے دیندار حضرت مقداد، عمار، سلمان، ابوذر وغیرہ تھے۔" (ص۲۳۸)

مصنف کے عقیدے کے مطابق اول تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی ان چار بزرگوں کے سوا صحابہ کرام "سچے دیندار" ہی نہیں تھے۔ بلکہ نعوذ باللہ منافق اور بے دین تھے۔ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام مہاجرین و انصار اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب مرتد ہو گئے، جو تین چار بزرگ اس ارتداد سے محفوظ رہے، انہوں نے بھی طوعاً وکرہاً سرگروہ مرتدین سے بیعت کر لی۔ اور انہی کے حلقہ بگوش ہو گئے ان حلقہ بگوشان مرتدین میں سرفہرست حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی ہے۔ یہ ہے مصنف کے نزدیک مہاجرین و انصار کی وہ

فضیلت جس کو قرآن کریم نے ذکر فرمایا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون

ج۔ اصحاب حدیبیہ

سورۂ الفتح پوری غزوۂ حدیبیہ کے بارے میں ہے اس غزوہ میں شریک ہونے والے حضرات کی تعداد ۱۴- ۱۵سو کے درمیان تھی، جنہوں نے بڑی جانثاری سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پر موت اور جہاد کی بیعت کی تھی[1] اس سورہ میں ان کی بلیغ ترین مدح و توصیف فرمائی گئی ہے اور ان سے رضامندی کا اعلان فرمایا گیا ہے۔ لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ
جناب مصنف کے لئے قرآن کریم کا یہ اعلان بھی ناقابل قبول ہے۔
اس لئے وہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں :

"اس سے یہ شبہ نہ ہو کہ ان تمام بیعت کرنے والوں سے خدا ہمیشہ کے لئے راضی ہوگیا اور یہ لوگ جنتی بن گئے کیونکہ اول تو خدا نے تمام بیعت کرنے والوں سے خوشنودی کا اظہار

---

[1] اس موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ رکھ کر فرمایا تھا کہ "ہٰذہ لعثمان" "یہ بیعت میں عثمان رض کی طرف سے کر رہا ہوں" (روضہ کافی ص۲۲۵) گویا باقی صحابہ نے خود بیعت کی تھی اور حضرت عثمان رضی اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ ۔ دریہ حضرت عثمان رض کی وہ فضیلت ہے جس میں کوئی شریک نہیں۔

نہیں بلکہ صرف مؤمنین سے اور وہ بھی ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ صرف وہ اس وقت خوش ہوا جس وقت ان لوگوں نے بیعت۔ اب رہی آئندہ کی حالت تو جیسی کرنی ویسی بھرنی۔
تو خلاصۂ مطلب اس آیت کا یہ ہوا کہ خدا سچے ایمانداروں کے اس فعل سے ضرور خوش ہوا" (ص۹۲۱)

گویا خدا تعالےٰ کو آئندہ کا علم نہیں تھا کہ یہ لوگ مرتد ہو جائیں گے اس نے وقتی فعل سے خوش ہو کر اپنی رضامندی کا ایسا اعلان فرما دیا۔ جو قیامت تک منبر و محراب میں تلاوت کیا جاتا رہے گا اور ہاں! وہ سچے مؤمن کون تھے جن کے ایک عظیم کارنامہ پر اللہ تعالےٰ نے ان کو اپنی رضامندی کا تمغہ عطا فرمایا؟ کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی ان "سچے مومنوں" کے زمرہ میں نہیں آتے۔ جن کی طرف سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کی تھی۔ قاتلھم اللہ انی یؤفکون۔

حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین

حضرات خلفائے راشدین خصوصًا حضرات شیخین رضی اللہ عنہم کی حیثیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشیر و وزیر کی تھی ۔۔ آپؐ کے بعد ان کے ہاتھ سے ایسی اسلامی خدمات ظہور میں آئیں جن کی نظیر پیش کرنے سے انسانی تاریخ قاصر ہے اور پھر ان اکابر نے اپنی ان خدمات جلیلہ کے عوض ایک جَو کے برابر کوئی مادّی فائدہ نہیں اٹھا۔ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کا جو روزینہ بیت المال سے مقرر کیا گیا تھا انہوں نے اس کا بھی ایک ایک حبّہ بیت المال کو واپس کر دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سرے سے کوئی وظیفہ بیت المال سے قبول ہی نہیں فرمایا۔ گویا ان

تینوں حضرات کی تمام خدمات (جن کی بدولت بعد کی تمام دنیا کو اسلام کی روشنی نصیب ہوئی) سب کی سب بے لوث اور بلا معاوضہ تھیں۔ اور پھر حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو وفات کے بعد بھی روضۂ مطہرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیّت و رفاقت کا وہ شرف حاصل ہے۔ جس میں ان کا کوئی شریک و سہیم نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے مخلص رفقا، جن کو حیاً و میتاً رفاقت نبوی کا دائمی شرف حاصل ہے اور امت کے ایسے محسن جن کے دم قدم سے بعد کے لوگوں کو دولت ایمان اور نورِ اسلام میسر آیا کسی مسلمان کا ان سے بغض و عداوت رکھنا ناقابل فہم ہے۔ لیکن شیعہ حضرات ان سے کچھ زیادہ ہی ناراض ہیں۔

بانیانِ مذہب شیعہ نے ان بزرگوں کے خلاف اتنی کثرت سے روایتیں گھڑی ہیں کہ تحریف قرآن کی روایات کے بعد شاید انہی کا نمبر ہوگا۔ ان بے شمار روایات میں روضہ کافی کی مندرجہ ذیل روایت ملاحظہ فرمائیے جس سے اندازہ ہوگا کہ بانیان مذہب شیعہ ان اکابر سے کس قدر بغض رکھتے تھے۔

حنان بن سدیر اپنے باپ سے روایت کرتا کہ میں نے امام ابوجعفر سے ان دونوں کے بارے میں پوچھا تو فرمایا:

یا ابا الفضل: ما تسأل عنهما فوالله ما مات منا میت قط الا ساخطا علیهما. وما منا الیوم الا ساخطا علیهما. یوصی بذالک الکبیر منا الصغیر انهما ظلمانا حقنا ومنعنا فیئنا وکانا اول من رکب اعناقنا وبثقا بثقا فی الاسلام لا یسکر ابداً حتی یقوم قائمنا او یتکلم متکلمنا ثم قال اما والله لو قد قام قائمنا او تکلم متکلمنا لابدی من امورهما ما کان یکتم، ولکتم من امورهما ما کان یظهر، والله ما اسست من بلیة ولا قضیة تجری علینا اهل البیت الا هما اسسا اولهما

(روضہ کافی ص۲۴۵ مطبوعہ ایران)

اے ابوالفضل! ان دونوں کے بارے میں مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ پس اللہ کی قسم! ہم میں سے جو مرا ان سے ناراض مرا۔ اور جو آج زندہ ہے وہ بھی ان سے ناراض ہے۔ ہمارے بڑے اپنے چھوٹوں کو اسی کی وصیت کر کے مرتے ہیں ان دونوں نے ظلماً ہمارا حق مارا اور ہماری فے ہم لوگوں سے روک لی یہ دونوں پہلے شخص تھے جو ہماری گردنوں پر سوار ہوئے اور ان دونوں نے اسلام میں ایسا طوفان برپا کر دیا جو کبھی تھمنے کا نام نہیں لے گا۔ جب تک کہ ہمارے مہدی کا ظہور نہیں ہو جاتا یا ہمارا بولنے والا بات نہیں کرنے لگتا پھر فرمایا: اللہ کی قسم! اگر ہمارے مہدی کا ظہور ہو جاتا یا ہمارا بولنے والا بولنے لگتا تو ان دونوں کی وہ باتیں ظاہر کرتا جو چھپائی جاتی تھیں اور ان کی وہ باتیں چھپاتا جو ظاہر کی جاتی تھیں اللہ کی قسم: ہم اہل بیت پر جو آفت و مصیبت بھی گذرتی ہے اس کی بنیاد انہی دونوں نے ڈالی ہے۔

۱۔ سورۂ محمدؐ کی آیات ۲۵ تا ۲۳۔ میں کفار و مرتدین اور منافقین کا تذکرہ ہے۔

ان الذین ارتدوا علی ادبارهم من بعد ما تبین لهم الهدی الشیطن سول لهم واملی لهم. ذلک بانهم قالوا للذین

بیشک جو لوگ راہِ ہدایت صاف صاف معلوم ہونے کے بعد بھی الٹے پاؤں (کفر کی طرف) پھر گئے۔ شیطان نے انہیں اپنے دے کر ڈھیل دے رکھی ہے۔

كرهوا ما انزل الله.
سنطيعكم فى بعض الامر
والله يعلم اسرارهم
الى قوله ـــــ

اور ان کی تمناؤں کی رسیاں دراز کردی ہیں یہ اس لئے کہ جو لوگ خدا کی نازل کی ہوئی کتاب سے بے بیزار ہیں یہ ان سے کہتے ہیں کہ بعض کاموں میں ہم تمہاری ہی بات مانیں گے اور خدا ان کے پوشیدہ مشوروں سے واقف ہے

ان الذين كفروا وصدوا عن
سبيل الله وشاقوا الرسول
من بعد ما تبين لهم الهدى
لن يضروا الله شيئا وسيحبط
اعمالهم

بے شک جن لوگوں پر (دین کی سیدھی) راہ صاف ظاہر ہوگئی اس کے بعد انکار کر بیٹھے اور (لوگوں کو) خدا کی راہ سے روکا اور پیغمبر کی مخالفت تو وہ خدا کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے اور وہ ان کا کیا کرایا اکارت کر دے گا

جناب مصنف کے نزدیک ان آیات کا مصداق خلفائے راشدینؓ اور ان سے بیعت کرنے والے صحابہؓ ہیں جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلافصل نہ بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی چنانچہ لکھتے ہیں: "حافظ ابوبکر بن مردویہ نے روایت کی ہے کہ "یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو حضرت علیؓ کی خلافت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے تھے اور اسی کی مؤید مؤید وہ دونوں روایتیں ہیں جو گذشتہ صفحہ میں مذکور ہوچکیں۔" (ص۹۱۵)

مصنف کی اس تشریح کے مطابق ان آیات میں کافر اور مرتد خدا اور رسول کی مخالفت کرنے والے تمام صحابہ کرام رضی ـــــــ

اللہ عنہم کو قرار دیا گیا ہے۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ ـــــ یہ بانیان مذہب شیعہ کے بغض صحابہ کا ادنیٰ نمونہ ہے۔

۲۔ سورۂ والشمس کے شروع میں چند قسمیں ذکر کی گئی ہیں ان میں سے چار یہ ہیں (۱) سورج کی قسم اور اس کی روشنی کی۔ (۲) چاند کی جب کہ وہ اس کے پیچھے نکلے۔ (۳) دن کی جب اسے چمکا دے۔ (۴) اور رات کی جب اسے ڈھانک لے۔ (ترجمہ فرمان علی)

مصنف ان قسموں کی تشریح اس طرح کرتے ہیں:

"ایک روایت ہے کہ سورج سے مراد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور قمر سے مراد جناب امیر علیہ السلام اور رات سے وہ لوگ مراد ہیں جو اہل بیت کے حقوق کو غصب کر کے حاکم بن بیٹھے۔" (ص۱۰۷۲)

اہل بیت کے حقوق غصب کر کے حاکم بن بیٹھنے والوں سے مصنف کی مراد حضرات خلفائے راشدینؓ ہیں۔ لطیفہ یہ ہے کہ اس روایت کے گھڑنے والے دانشمندوں کو اتنی بھی تمیز نہیں تھی کہ یہ سورۃ مکی ہے جس میں اس قسم کی مہمل تفسیر کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور انہیں یہ بھی تمیز نہ رہی کہ اس تفسیر کے مطابق تو حضرات خلفائے راشدین بہت ہی مقدس تھے کہ ان کے وجود کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ـــــ اور جن لوگوں کے نام کی خدا قسم کھاتا ہو ان کو ظالم و غاصب کہنا کس طرح صحیح ہوگا۔

حضرت ابوبکر صدیق رض

سورۂ برأت کے آغاز میں مصنف لکھتے ہیں :-

"حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورہ کے شروع کی آیتیں حضرت ابوبکر رض کو دیں اور کچھ آدمیوں کے ساتھ کر کے حکم دیا کہ مکہ میں جاکر کفار اور مشرکین کے مجمع عام میں پڑھ کر سنا دو۔ حضرت ابوبکر رض روانہ ہوئے اس کے بعد حضرت جبریل یہ حکم خدا لے کر آئے کہ یہ ہر شخص کا کام نہیں اس کے لئے یا تو تم خود جاؤ یا جو شخص تم سے ہو اس کو بھیجو، آپ نے فوراً حضرت علی رض کو ناقہ پر سوار کر کے روانہ کیا اور حکم دیا کہ ان آیتوں کو ابوبکر سے لے کر تم خود پڑھ کر سنادو اور ابوبکر کو واپس کر دو۔ حضرت ابوبکر واپس آئے اور پوچھا کیا میرے بارے میں کوئی حکم آیا، فرمایا نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دیکھو تفسیر درّ منثور جلد ۳ صفحہ ۲۰۹ مطبوعہ مصر ۔ اور اس کے تمام شیعہ سنی بالاتفاق قائل ہیں اور کسی کو اختلاف نہیں"۔ چنانچہ علامہ ابن ابی الحدید معتزلی تعریضاً جناب امیر کی مدح میں لکھتے ہیں:

ولا کان معزولاً غداۃ براءۃ ولا فی صلوٰۃ ام فیھا مؤخرا

(ترجمہ از ناقل) اور نہ حضرت علی کو برات کی صبح کو معزول کیا گیا اور نہ جس نماز میں وہ امام تھے انہیں اس سے پیچھے ہٹایا گیا" (صـ۳۵ ۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ھ ہجری میں حضرت ابوبکر رض صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنا کر بھیجا۔ اور مرض الوفات میں انہیں اپنی جگہ امام الصلوٰۃ بنایا۔ یہ دونوں واقعے اس کی قطعی دلیل ہیں

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اعلم و افضل اور آپ کی جانشینی و قائمقامی کا مستحق کوئی دوسرا نہیں تھا۔ روافض کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا انکار کرنے کے لئے یہ جھوٹ گھڑنا پڑا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں موقعوں پر حضرت ابوبکر رض کو معزول کر دیا تھا۔ اسی جھوٹ کو ابن ابی الحدید رافضی معتزلی نے مندرجہ بالا شعر میں نظم کیا ہے۔ چونکہ صحابہ کرام رض کے بارے میں غلط بیانی جناب مصنف اور ان کے ہم مسلک حضرات کا دین و ایمان ہے، اس لئے تقیہ کا ثواب حاصل کرنے کے لئے جناب مصنف نے بھی یہ جھوٹ گھڑ دیا کہ:

"اور حکم دیا کہ ان آیتوں کو ابوبکر سے لے کر تم خود پڑھ کر سنا دو۔ اور ابوبکر کو واپس کر دو"

حلانکہ حضرت ابوبکر رض کو واپس کرنے کا حکم نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا نہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابوبکر رض کو واپس ہونے کے لئے کہا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر خالص افتراء ہے جس کا گھڑنے والا اس ارشاد نبوی ؐ کا مصداق ہے:

من کذب علی متعمدًا فلیتبوأ مقعدہ من النار (اصول کافی باب اختلاف الحدیث ص۶۲ ج۱)

جس نے جان بوجھ کر میری طرف غلط بات منسوب کر دی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ بنائے۔

پھر اس جھوٹ پر جھوٹ یہ گھڑتے ہیں کہ تمام شیعہ سنی اس کے قائل ہیں کسی کو اس میں اختلاف نہیں۔ حالانکہ متفق علیہ بات

جس میں کسی کو اختلاف نہیں، یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امیر الحج تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے مامور اور ماتحت تھے۔ چنانچہ ابن اسحاق نے خود امام محمد باقر کی یہ روایت نقل کی ہے:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بناکر بھیج چکے تھے۔ کہ سورہ براۃ نازل ہوئی۔ عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ اگر آپ ان آیات کو ابوبکر کے پاس بھیج دیتے (تو وہ مکہ میں ان کا اعلان کر دیتے) فرمایا (چونکہ یہ مسئلہ عہد سے تعلق رکھتا ہے اس لئے عرب کے دستور کے مطابق) یہ پیغام وہی شخص پہنچا سکتا ہے جو میرے اہل بیت سے ہو۔ پھر آپ نے حضرت علی کو بلا بھیجا۔ اور ان سے فرمایا کہ سورۂ براۃ کی ابتدائی آیات اور ان کے احکام لے کر وہاں جائیں اور قربانی کے روز جب سب لوگ منیٰ میں جمع ہوں یہ اعلان کر دیں کہ جنت میں کوئی کافر نہیں داخل ہوگا اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکتا اور کوئی شخص برہنہ ہوکر طواف نہیں کر سکتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کا معاہدہ ہو تو طے شدہ میعاد تک اس کی پابندی کی جائے گی۔

حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر سوار ہوئے اور راستہ میں حضرت ابوبکرؓ سے جا ملے۔ انہوں نے پوچھا کہ امیر ہو یا مامور؟ کہنے لگے، مامور

ہوں۔ پھر دونوں اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگئے اور حضرت ابوبکرؓ حج کے انتظامات میں مشغول ہوگئے۔ جب قربانی کا دن آیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کھڑے ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور ہدایت کے مطابق ان سب باتوں کا اعلان کر دیا۔"

(سیرت ابن ہشام برحاشیہ الروض الانف ج ۲ ۳۲۸۴۲)

اسی طرح مرض الوفات میں جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امام بنایا گیا تو ایک روایت بھی ایسی نہیں کہ ان کو پیچھے ہٹایا گیا ہو۔

راقم الحروف کی کتاب "عہد نبوت کے ماہ و سال" میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کا واقعہ صحیح روایات کی روشنی میں اس طرح درج کیا گیا ہے:

"۹ ربیع الاول شب جمعہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض کی شدت ہوئی جس کی وجہ سے تین بار بے ہوشی کی نوبت آئی اور نماز عشاء کے لئے مسجد میں تشریف نہیں لے جا سکے اور تین بار فرمایا، "ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ چنانچہ عشاء کی یہ نماز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ اور باقی تین روز بھی وہی امام رہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کل سترہ نمازیں پڑھائیں۔ جن کا سلسلہ شب جمعہ کی نماز عشاء سے شروع ہوکر ۱۲ ربیع

الاول دوشنبہ کی نماز فجر پر ختم ہوتا ہے۔ ان تین ایام میں ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ افاقہ محسوس ہوا تو دو آدمیوں کے سہارے نماز کے لئے مسجد میں تشریف لائے، قدم مبارک سے زمین پر نشان بن رہے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صف تک پہنچے، اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھ گئے اور یہ نماز لوگوں کے ساتھ ادا کی۔ اس میں اختلاف ہے کہ آپ اس نماز میں امام تھے۔ یا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں یہ نماز ادا فرمائی تھی۔ دونوں قول مشہور ہیں جو کتب احادیث میں مذکور ہیں۔

ان تین ایام کے آخری دن دوشنبہ کو، جو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا آخری دن تھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نماز فجر کے وقت اپنے حجرے شریفہ کے دروازے کا پردہ اٹھایا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز کی امامت کرا رہے تھے۔ اور لوگ ان کے پیچھے صف آراء تھے، آپؐ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور تبسم فرمایا۔ بعد ازاں پردہ چھوڑ دیا۔" اسی روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم فانی سے رخصت ہوئے (طبع اول ص۳۶۶)

الغرض نہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امارت حج سے معزول کیا گیا۔ اور نہ نماز کی امامت سے انہیں ہٹایا گیا۔ بلکہ ان دونوں موقعوں پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امیر و امام تھے اور حضرت علی کرم اللہ

وجہہٗ مامور و مقتدی تھے۔ اگر حضرات شیعہ کو نظر انصاف عطا ہوئی ہوتی تو انہیں یہ تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں ہونی چاہیئے تھی کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ مقدس اور واجب الاحترام ہیں تو جس شخصیت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا امیر و امام بنایا وہ ان سے بڑھ کر مقدس و واجب الاحترام ہیں۔ اگر یہ معصوم ہیں تو ان کے امیر و امام عصمت میں بھی ان سے فائق تر ہونے چاہئیں اور اگر یہ خلافت نبوت کے مستحق ہیں تو ان کے امیر و امام ان سے بڑھ کر مستحق خلافت ہیں۔ واقعہ یہ ہے اگر جماعت صحابہؓ میں کوئی شخص علم و فضل، ورع و تقویٰ اور فضیلت و منقبت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بجائے اسی کو امیر حج اور امام صلوٰۃ مقرر فرماتے۔ اگر انصاف کیا جائے تو اپنی جانشینی اور خلافت بلا فصل کا مسئلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اپنا مصلیٰ سپرد کر کے حل کر دیا اب اس فیصلۂ نبوی سے جناب مصنف اور ان کے دوست خوش ہوں یا ناخوش۔

ز : حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

آیت حجاب کے تحت مصنف لکھتے ہیں:۔

"مجاہدؒ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آ گئے۔ آپؐ نے کھانے کو پوچھا تو بیٹھ

گئے۔ اتفاقاً کھانے میں حضرت عمرؓ کی انگلی حضرت عائشہؓ کی انگلی سے لگ گئی۔ تو آپؐ کو ناگوار گذرا اور اسی وقت یہ آیت حجاب نازل ہوئی (دیکھو تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۱۳ سطر ۲۲" (ص ۶۲۳)

جناب مصنف نے قاری کے ذہن پر اپنا اعتماد جمانے کے لئے کتاب کی جلد اور صفحہ ہی نہیں لکھا، سطر کا بھی حوالہ دیا ہے لیکن غلط بیانی، جو ان کی فطرت میں داخل ہے اور جو ان کے دین کے دس حصوں میں نو حصے کی حیثیت رکھتی ہے، اس سے یہاں بھی باز نہ رہے۔ ان کے خط کشیدہ الفاظ کا روایت کے اصل الفاظ سے مقابلہ کیجیئے:

فقال عمر اوہ. لو اطاع فیکن ما رأتکن عین فنزلت آیۃ الحجاب:	تو حضرت عمرؓ نے کہا، ہائیں! اگر آپؐ تمہارے بارے میں میری درخواست قبول فرماتے تو تمہیں کوئی آنکھ نہ دیکھ پاتی اس پر پردہ کی آیت نازل ہوئی۔

روایت کے مطابق اس واقعہ سے ناگواری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہوئی تھی اور انہی کے خواہش و درخواست کے مطابق آیت حجاب نازل ہوئی۔ اس سے چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت و منقبت ظاہر ہوتی تھی۔ اس لئے جناب مصنف کی دیانت و امانت کو گوارا نہ ہوا کہ روایت کو جھوٹ کی آمیزش کے بغیر نقل کر کے تقیہ کے ثواب سے محروم رہیں۔ اسی طرح جناب مصنف نے جگہ جگہ کذب و افتراء کی بھرمار کر کے ذریت ابن سبا کی نمک خواری کا حق ادا کیا ہے۔ وسیعلم الذین

ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

ح: حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

سورۂ النجم کے آخری رکوع افرءیت الذی الخ کے تحت جناب مصنف لکھتے ہیں:

"حضرت عثمانؓ اکثر کچھ خیرات دیا کرتے تھے ایک دفعہ ان کے عزیز عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح نے ان سے کہا کہ تم اتنا خرچ کرتے ہو کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں تم فقیر نہ ہو جاؤ۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ میں نے بہت بڑے گناہ کئے ہیں اس لئے خیرات کرتا ہوں کہ شاید خدا ان کو معاف کر دے۔ عبد اللہ بولا یہ اونٹ جو بارے لدا ہوا ہے مجھے دے دے، تو میں تیرے گناہوں کا بوجھ اپنے اوپر لے لیتا ہوں حضرت عثمان نے فوراً دے دیا اور دو گواہ بھی کر لئے۔ اس کے بعد خیرات تصدق سب یکدم موقوف کر دی تو انہی کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اور روگردانی کرنے سے جنگ احد میں بھاگنا مراد ہے۔ دیکھو تفسیر کشاف جلد ۳ صفحہ ۴۲۶ مطبوعہ مصر" (ص ۹۴۷)

یہاں جناب مصنف نے کمال تقیہ کا دو طرح مظاہرہ فرمایا ہے، ایک یہ جو روایت انہوں نے کشاف سے نقل کی ہے وہ قطعاً جھوٹی اور کسی رافضی کی گھڑی ہوئی ہے چنانچہ روح المعانی ص ۶۵ جلد ۲۷ میں ہے:

واما ما فی الکشاف انها نزلت فی عثمان بن عفان رضی الله عنه .... فباطل کما قال ابن عطیة لا اصل له ۔	اور یہ جو کشاف میں ہے کہ یہ آیات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں تو یہ قطعاً باطل ہے جیسا کہ ابن عطیہ نے کہا ہے اس کی کوئی اصل نہیں ۔

چونکہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں جھوٹ گھڑنا اور جھوٹ کو پھیلانا ہی جناب مصنف کا مسلک ہے اس لئے انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس جھوٹی روایت کو نقل کر کے حق تقیہ ادا کیا ہے ۔ پھر دوسرا کمال یہ دکھایا کہ روایت کا آخری حصہ حذف کر دیا چنانچہ کشاف میں ہے :

فعاد عثمان الی احسن من ذ الك واجمل (ص ۷۰۴ - ج ۴)	ان آیات کے نزول کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پہلے سے بڑھ چڑھ کر صدقہ وخیرات کرنے لگے ۔

چونکہ ان آخری الفاظ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت ومنقبت کا حسین ترین پہلو قاری کے سامنے آجاتا ہے اور یہ جناب مصنف کے مسلک تقیہ کو قطعاً گوارا نہیں ۔ اس لئے وہ روایت کے آخری حصہ کو شربت محترم سمجھ کر پی گئے ۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں جناب مصنف کا تصنیف کردہ ایک اور جھوٹ ملاحظہ فرمائیے ۔ سورۂ عبس کی ابتدائی آیات کے بارے میں لکھتے ہیں :

"ایک روز حضرت رسولؐ کے پاس آپ کے اصحاب بیٹھے

ہوئے تھے عبد اللہ بن مکتومؓ جو خاص صحابی مؤذن اور نابینا تھے کچھ احکام پوچھنے کے واسطے آپ کے پاس حاضر ہوئے آپ نے منتہائے اخلاق اور ان کی نابینائی کی وجہ سے حضرت عثمان سے جو آپ کے پاس بیٹھے تھے، آگے بٹھایا، یہ امر حضرت عثمان کو ناگوار گذرا، عبد اللہ کی طرف پشت کر کے بیٹھ گئے یہ بات خدا کی مرضی کے خلاف تھی حضرت جبرائیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے جس سے عبد اللہ کی مدح اور حضرت عثمان کی تنبیہ مقصود تھی ۔"[1]

یہ کہانی جناب مصنف کی طبعزاد ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حیاء اور تواضع کا اس قدر غلبہ تھا ۔ کہ فرشتے ان سے حیا کرتے تھے ۔ کیا وہ یہ بے تمیزی کر سکتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں پشت کر کے بیٹھ جائیں ؟ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہو اور صحابہ رضؓ کو ناگوار ہو ؟ غالباً جناب مصنف نے صحابہ کرام کو بھی کوفہ کے شیعان حسن پر قیاس کر لیا ؟

ط : امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن

جناب مصنف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت ازواج مطہرات اور مسلمانوں کی ماؤں کے بارے میں بھی دریدہ دہنی سے دریغ نہیں کیا ۔

۱۔ سورہ النور کی آیات افک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت

؎ نقل مطابق اصل

وطہارت کے بارے میں نازل ہوئیں۔ لیکن جناب مصنف لکھتے ہیں:

"بعض روایات میں ہے کہ یہ آیات ام المؤمنین جناب ماریہ قبطیہ والدۂ ابراہیم بن محمد مصطفےٰ صلعم کی صفائی میں نازل ہوئی ہیں انہیں بعض ازواج نبی نے جریح قبطی سے سوتاپہ کی وجہ سے متہم کر دیا تھا۔ تفصیل کے لئے (دیکھو تفسیر قمی۔ برہان۔ صافی" (ص ۶۳)

جناب مصنف اس رافضی جھوٹ کے ذریعہ یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ازواج مطہرات (نعوذ باللہ) اس قدر بدکردار تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکدامن حرم کو دنیا کی سب سے بدترین بدکاری کی تہمت لگا دیتی تھیں ـــــ نعوذ باللہ من ذٰلک۔

۲ سورۂ النور کی ایک آیت "الخبیثات للخبیثین" جو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طہارت و نزاہت کے سلسلہ میں ہے اس کے ذیل میں مصنف لکھتے ہیں:

"یہ بات بھی ثابت ہے کہ حضرت رسول کریم جیسے نبی آخر الزمان کی سب بیویاں پاک طینت نہ تھیں۔ جیسا کہ کتب تواریخ واحادیث سے قطع نظر خود قرآن مجید کے پارہ ۲۸ رکوع ۱۹ سورہ تحریم کی آیت ۴ سے واضح ہے، ارشاد ہوتا ہے: "فقد صغت قلوبکما" تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہیں" (ص ۶۳)

یہ گستاخی ازواج مطہراتؓ کے حق میں نہیں بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے کہ آپ کے اہل بیت کو نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ بدطینت کہا جائے۔ اور مصنف نے سورۂ تحریم

کی جس آیت کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما۔ اگر تم دونوں اللہ کی بارگاہ میں رجوع کرو تو (یہ مناسب موقع ہے کیونکہ) تمہارے دل توبہ کی طرف مائل ہیں۔

اس آیت کریمہ میں ان ازواج مطہراتؓ کو توبہ اور رجوع الی اللہ کی ترغیب دی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ توبہ کی ضرورت اعلیٰ درجہ کے کاملین کو بھی ہے، لیکن جناب مصنف کو اپنے دل کی کجی مقدسین کے آئینہ میں نظر آرہی ہے۔

۳۔ سورۃ الاحزاب کی آیت ۲۸ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"جب حضرت رسولؐ فتح خیبر سے واپس آئے تو حضرتؐ کی بعض بیویوں نے کہا کہ جو کچھ آپ کو ملا ہے ہم لوگوں کو دیجئے۔ آپ نے فرمایا: میں نے تو اسے مسلمانوں پر حکم خدا کے مطابق تقسیم کر دیا۔ اس پر وہ غصہ سے بولیں کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اگر ہم کو طلاق دو گے تو ہم کو کوئی دوسرا شوہر نہ ملے گا؟ اس کا حضرت کو بہت رنج ہوا حتیٰ کہ آپؐ کنارہ کش ہو کر انیس روز تک مشربہ ابراہیم میں رہے یہاں تک کہ حضرت کی بیویوں کو حیض ہوا اور یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی" (ص ۵۶۷)

جناب مصنف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواج مطہراتؓ کا جو مکالمہ درج کیا ہے وہ بھی موصوف کے گھر کا طبع زاد ہے۔ اور گندے جھوٹ کے یہ الفاظ کہ:

"کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر ہم کو طلاق دو گے تو ہم کو کوئی دوسرا شوہر نہ ملے گا۔"

اس قدر تکلیف دہ ہیں کہ جبین حیاء کو پسینہ آجاتا ہے،

اختصار کے پیش نظر اس باب میں حضرات صحابہ کرام، خلفائے راشدین اور ازواج مطہرات امہات المؤمنین (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے بارے میں مصنف کی کذب بیانی اور افتراء پردازی کی چند مثالوں پر اکتفا کیا گیا ہے ورنہ مصنف کا قلم اس سلسلہ میں بہت ہی بے باک اور گستاخ ہے اور اس نے ان مقدسین کے بارے میں جگہ جگہ گندگی اچھالنے کی کوشش کی ہے۔ حیف ہے اس دعوائے ایمان پر جو یاران نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مرتد اور بے ایمان قرار دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کا مرتکب ہو اور تف ہے اس دعوائے اسلام پر جو ازواج مطہرات رض کی عزت و حرمت کے ساتھ کھیلنے سے باز نہ رہے جو قرآن کریم کی نص سے اہل ایمان کی مائیں ہیں۔ اور کوئی شریف آدمی اپنی ماں سے بے ہودہ گفتاری اور بدگوئی نہیں کیا کرتا اگر مصنف کا تعلق بھی اہل ایمان کی برادری سے ہوتا تو وہ قرآن کریم کے حواشی کو اس گندگی سے ملوث نہ کرتے

باب سوم

حضرت علی رضی اللہ عنہ

الف: شان علی میں غلو

جناب مصنف لکھتے ہیں:

"حضرت علی رض فرماتے ہیں کہ دو شخص میرے بارے میں گمراہ اور داخل جہنم ہوں۔ ایک وہ جو میری دوستی میں افراط کر کے مجھے میرے مرتبہ سے بڑھا دیتا ہے اور دوسرا وہ جو مجھے میرے مرتبہ سے گھٹا دیتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو لوگ آپ کے فضائل کی خواہ مخواہ تاویلیں کرتے ہیں یا کسی امام کو نبوت یا خدائی کے درجہ تک پہنچا دیتے ہیں، خارج از ایمان ہیں۔" (ص ۱۰۵)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

حضرت نے جناب امیر کی طرف خطاب کر کے فرمایا یا علی تمہاری مثال بھی عیسیٰ کی ہے کہ کچھ لوگ تو ان کی دوستی میں گمراہ ہوئے اور کچھ دشمنی میں۔" (ص ۸۸۵)

مصنف کی نقل کردہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رض کے بارے میں لوگوں کے تین فریق ہوں گے ایک آپ کی عداوت و دشمنی کی وجہ سے گمراہ اور جہنمی ہوگا۔ یہ خوارج کا گروہ ہے دوسرا

آپ کی محبت میں غلو کر کے گمراہ اور خارج از ایمان ہو گا۔ یہ شیعوں کا گروہ ہے۔ اور ایک فریق وہ ہو گا۔ جو آپ کی شان میں نہ تو افراط کرے گا نہ تفریط، بلکہ نقطۂ اعتدال پر قائم رہے گا۔ یہ سوادِ اعظم اہلسنت ہیں۔ چنانچہ اہل سنت آپ کی محبت کو جزوِ ایمان سمجھتے ہیں، آپ سے بغض و عداوت کو نشانِ نفاق وطغیان تصور کرتے ہیں، آپ کے اعلیٰ ترین فضائل ومناقب کے دل وجان سے قائل ہیں۔ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین عزیز، خلیفۂ راشد اور مبشر بالجنہ سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ ان کی مدح میں غلو نہیں کرتے۔ نہ انہیں انبیاء کرامؑ کے ہمسر کہتے ہیں۔ نہ ان کے لئے لوازمِ نبوت (عصمت وغیرہ) ثابت کرتے ہیں۔ نہ انہیں شیخین رضؓ سے افضل مانتے ہیں۔ چنانچہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے منقول ہے کہ انہیں اطلاع پہنچی کہ بعض لوگ انہیں حضرات شیخین پر فضیلت دیتے ہیں تو ممبر پر تشریف لے گئے اور حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا:

يايها الناس انه قد بلغني ان قوما يفضلوني على ابي بكر و عمر. ولو كنت تقدمت فيه لعاقبت فيه فمن سمعته بعد هذا اليوم يقول هذا فهو مفتر، عليه حد المفتري. ثم قال ان خير هٰذه الامة بعد نبيها ابو بكر وعمر. ثم الله اعلم بالخير بعد. قال وفي المجلس الحسن بن علي فقال والله لو سمى الثالث لسمى عثمان (ازالۃ الخفاء ص۶۸ ج۱)

لوگو! مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ کچھ لوگ مجھے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتے ہیں۔ اگر میں نے اس سلسلہ میں پہلے تنبیہ کر دی ہوتی تو میں ان لوگوں پر سزا جاری کرتا۔ پس آج کے بعد میں نے کسی کو یہ بات کہتے سُنا تو وہ مفتری ہے اور اس پر مفتری کی حد جاری ہو گی۔ پھر فرمایا آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ ان کے بعد اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ کون افضل ہے راوی کہتے ہیں کہ مجلس میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے۔ انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم اگر آپ کسی تیسرے کا نام لیتے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام لیتے۔

ازالۃ الخفاء مسند علی رضؓ (ص۶۶ تا ص۷۱ ج۱) میں وہ تمام احادیث جمع کر دی ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرات شیخین کی فضیلت ومنقبت میں مروی ہیں۔ اسی سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے:

عن قيس بن عباد قال قال لي علي ابن ابي طالب ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مرض ليالي واياما ينادي بالصلوٰة فيقول مروا ابا بكر يصلي بالناس: فلما قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم نظرت فاذا الصلوٰة علم

قیس بن عباد کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کئی دن رات تک بیمار رہے، نماز کی اذان ہوتی تو ارشاد فرماتے کہ ابوبکر کو کہو لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو میں نے غور کیا کہ نماز اسلام کا سب سے بڑا

الاسلام وقوام الدين: فرضينا لدنيانا۔ من رضی رسول الله صلی الله عليه وسلم لدينا ، فبايعنا ابا بکر (ص۶۸)

شعار اور دین کا سب سے بڑا مدار ہے پس جس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کے لئے پسند کیا ہم نے اس کو اپنی دنیا کے لئے پسند کر لیا۔ اس لئے ہم نے ابوبکر رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

چونکہ حضرت ابوبکر رضؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امام اور باقی صحابہ کو بشمول حضرت علی رضی اللہ عنہم مقتدی بنایا تھا۔ اور چونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضؓ کی اقتدا کی۔ ان کو اپنا امام اور خلیفہ تسلیم کیا اس لئے حضرات اہل سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی اقتدا کرتے ہوئے ان تینوں اکابر کو، جو حضرت علیؓ کے امام تھے۔ ان سے افضل سمجھتے ہیں اور ان تین کے بعد آپؓ کو تمام صحابہ سے افضل مانتے ہیں۔ الغرض اہل سنت آپ کے حق میں افراط و تفریط کے قائل نہیں، بلکہ جادۂ اعتدال پر قائم ہیں۔ اس جادہ اعتدال سے ہٹ کر شیعوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں کس طرح غلو کیا ہے؟ اس کے چند نمونے جناب مصنف کے قلم سے ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ سورۂ آل عمران کی آیت ۶۱، جو آیت مباہلہ کے نام سے مشہور ہے۔ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

" یہ حضرت علی رضؓ کی اعلیٰ فضیلت ہے کہ نفس رسول، خدا

کے حکم سے قرار پائے اور تمام انبیاء سے افضل ٹھہرے"۔ (ص۱۰۴)

یعنے حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام صحابہ ہی سے افضل نہیں بلکہ نعوذ باللہ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ مصنف نے یہ عقدہ حل نہیں کیا کہ جب ان کے بقول علی رضؓ نفس رسولؐ ہیں تو حضرت فاطمہ رضؓ سے ان کا نکاح کیسے جائز ہوا۔

۲۔ سورہ زخرف کی آیت ۴۵ میں ہے:

" اور ہم نے تم سے پہلے اپنے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں ان سب سے دریافت کر دیکھو کیا ہم نے خدا کے سوا اور معبود بنائے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے"۔ (ترجمہ فرمان علی)

اس کے ذیل میں جناب مصنف لکھتے ہیں:

ابن عباسؓ اور ابن مسعود رضؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ شب معراج میں میرے پاس ایک فرشتہ آیا۔ اور اس نے کہا کہ اپنے قبل کے انبیاء سے پوچھئے کہ وہ لوگ کس بات پر پیغمبرؑ بنا کر بھیجے گئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب میں نے ان پیغمبروں سے پوچھا۔ تو ان لوگوں نے جواب دیا۔ کہ آپ کی رسالت اور علی بن ابی طالب کی ولایت پر بھیجے گئے۔

(دیکھو تفسیر نیشاپوری جلد ۳ صفحہ ۲۹ ۳ مطبوعہ طہران"۔ (ص۸۸۴)

کیوں نہ ہو جب علی رضؓ تمام انبیاء سے افضل ہیں تو ان سے علی کی ولایت کا عہد بھی ضرور لیا گیا ہوگا ــــ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۳۔ سورۂ اعراف کی آیت ۱۷۲ میں "عہد الست" کا ذکر ہے ۔۔

کے ذیل میں جناب مصنف لکھتے ہیں :

"یہ اقرار عہد الست کا ہے جب دنیا میں کوئی موجود نہ تھا اورخدا نے محض اپنی خدائی کا اقرار نہ لیا تھا۔ بلکہ حضرت رسول ؐ کی رسالت اورحضرت علی رضؓ کی امارت و ولایت کا بھی۔ اوروہ بھی محض انسانوں سے نہیں بلکہ فرشتوں سے بھی۔ چنانچہ یہ حدیث اسی آیت کی تائید یا تفسیر میں وارد ہوئی ہے۔

حضرت رسول ؐ نے فرمایا کہ لوگ اگر جانتے کہ علی رضؓ کا نام امیرالمؤمنین کب رکھا گیا۔ تو ان کی فضیلت سے انکار نہ کرتے۔ علی رضؓ امیرالمؤمنین اس وقت کہلائے جب آدم کا روح وجسد درست نہ ہوا تھا۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے واذ اخذ الآیۃ الست بربکم تو فرشتوں نے کہا ہاں اب خدا نے فرمایا کہ میں تمہارا پروردگار ہوں اورمحمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے نبی ہیں اور علی تمہارے امیر ہیں۔" (ص ۲۰۸)

یعنے خدا نے اس موقعہ پر کسی نبی کی رسالت ونبوت کا تو عہد نہیں لیا۔ مگر علی رضؓ کی امارت و ولایت کا عہد لینا (اوروہ بھی انسانوں سے نہیں بلکہ فرشتوں سے) ضروری سمجھا کیونکہ علی رضؓ کی امارت و ولایت کے مقابلہ انبیاء کی رسالت ونبوت کی کیا حیثیت ہے ——— مگر قرآن کریم میں صرف عہد ربوبیت کا ذکر ہے کیا خدا ——— نعوذ باللہ ——— بھول گیا تھا کہ اس رافضی روایت کے ذریعہ اسے یاد دہانی کی ضرورت پیش آئی ۔؟

۴۔ سورہ الاحزاب کی آیت ۵۶، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کا حکم ہے، کے ذیل میں لکھتے ہیں :

"ایک روایت میں ہے کہ شجر اسلام کی شادابی کے قبل ملائکہ نے حضرت علی رضؓ پر مدتوں درود بھیجا۔ مناقب مرتضوی میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول ؐ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے مجھ پر اور علی پر ملائکہ نے سات بار درود بھیجا۔" (ص ۲۶۴)

جب علی رضؓ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ اور خدا کی خدائی کے ساتھ ان کی امارت و ولایت کا عہد لیا گیا ہے تو فرشتے کسی اور پر درود بھیجیں نہ بھیجیں مگر علی رضؓ پر ضرور بھیجتے ہوں گے مگر اس روایت کے گھڑنے والوں کو یہ یاد نہیں رہا کہ شیعہ اصول کے مطابق شجر اسلام شاداب ہی کب ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ سالہ محنت کے نتیجہ میں ۳-۴ سچے مسلمان ہوئے، باقی سب ایسے ویسے ہی تھے۔ اورآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سب کے سب یا تو مرتد ہو گئے۔ یا مرتدین کے حلقہ بگوش ——— کیا یہی شجر اسلام کی شادابی ہے ؟

۵۔ سورۃ البقرہ کی آیت میں ذکر ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لئے۔ جن کی برکت سے اللہ تعالےٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ مصنف لکھتے ہیں :

"وہ کلمات جن کی برکت سے خدا نے حضرت آدم کی توبہ قبول فرمائی، اسمائے پنجتن یعنے محمد۔ علی۔ فاطمہ۔ حسن حسین علیہم السلام ہیں۔" (ص ۱۵)

۴۔ سورۂ آل عمران کی آیت ۳۳ کے تحت لکھتے ہیں:

"ابن عباس رضؓ سے منقول ہے کہ حضرت رسول آل ابراہیم سے ہیں ان کا یہ بھی قول ہے کہ محمد و آل محمدؐ حضرت ابراہیم کے اہل بیت ہیں۔ پس اس آیت سے صاف صریحی طور پر ثابت ہوا کہ خدا نے حضرت رسول اور ان کے اہل بیت کو سارے جہان سے افضل بنایا ہے فرشتے ہوں یا جنات آدمی ہوں یا غیر، حتیٰ کہ پیغمبروں پر بھی فضیلت ثابت ہو گئی" (ص ۹۴)

چشم بد دور، صرف حضرت علیؓ ہی نہیں بلکہ تمام اہل بیت انبیاء کرامؑ سے افضل ہو گئے۔ یہ ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں شیعی غلو کے چند نمونے، کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ صرف انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح معصوم اور مفترض الطاعۃ ہیں بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں عہدالست میں شریک ہیں۔ ہر نبی سے ان کا عہد لیا گیا ہے اور تمام انبیاء کرام تقرب الی اللہ کے لئے ان کے طفیلی ہیں نعوذ باللہ من الغوایۃ والغباوۃ؛

ب: وصایت علیؓ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں شیعوں کے بے جا غلو کی ایک مثال ان کا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی، جانشین اور خلیفہ بلافصل تھے چنانچہ

اس غلو کو اپنے کلمہ و اذان تک میں داخل کر لیا ہے۔ حالانکہ اس غلو پر نہ تو وہ قرآن کریم کی کوئی نص پیش کر سکتے ہیں۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد گرامی ـــــ اس لئے شیعوں کو اس مقصد کے لئے جھوٹی روایات کا ایک طومار تیار کرنا پڑا۔ لیکن وہ روایات خود ہی "دروغ گورا حافظہ نباشد" کی شہادت دے رہی ہیں اور ان میں ایسا اختلاف و تناقض ہے کہ کسی شیعہ کے لئے یہ بتانا ممکن نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنا خلیفہ اور وصی کب مقرر کیا تھا۔ جناب مصنف نے بھی موقعہ بے موقعہ ان روایات کو اپنے حواشی قرآن کی زینت بنایا ہے یہاں بطور نمونہ ان کے چند حوالے درج کئے جاتے ہیں؛

۱۔ اوپر مصنف کی ذکر کردہ روایت نقل کی جا چکی ہیں کہ عہدالست میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خدائی کے اقرار کے ساتھ حضرت علیؓ کی امارت و ولایت کا عہد لیا تھا۔

۲۔ سورۃ الشعراء کی آیت ۲۱۴ وانذر عشیرتک الاقربین کے ذیل میں جناب مصنف نے مندرجہ ذیل روایت درج کی ہے؛

"صاحب تفسیر معالم التنزیل نے اس آیت کی شان نزول میں یہ روایت ابن عباسؓ سے ذکر کی ہے وہ کہتے ہیں مجھ سے حضرت علی نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت نے مجھ سے فرمایا خدا کا ایسا حکم ہے۔ مگر چونکہ میں جانتا تھا کہ ان لوگوں کو اس حکم کے سنانے سے رنج کے سوا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس وجہ سے ساکت

تھا مگر پھر دوبارہ باعتاب حکم آیا ہے۔ اب کوئی چارہ نہیں تو تم کچھ روٹی، بکرے کی ایک ران اور تھوڑے دودھ کا سامان کر رکھو۔ جب شام ہوئی تو آپ نے قریش میں عباس، حمزہ، ابولہب، ابو طالب ایسے چالیس آدمیوں کو بلا بھیجا اور وہ کھانا ان کے سامنے رکھا گیا۔ آپ نے پہلے اپنا ہاتھ لگا دیا۔ اس کے بعد ان سے کھانے کو فرمایا سب کے سب کھا کر سیر ہو گئے حالانکہ وہ کھانا بظاہر ایک آدمی سے زیادہ کھانے کا نہ تھا۔ اب آپ نے چاہا کہ کچھ بات کریں کہ ابولہب مردود نے بات کاٹ کر کہا کہ تمہارے صاحب نے بڑا سخت جادو کیا ہے یہ سننا تھا کہ سب کے سب چل دیئے۔ دوسرے دن حضرت نے اسی سامان کا حکم دیا اور کھانے کے بعد فرمایا۔ اے فرزندان عبد مناف! میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی نیکی لے کر آیا ہوں اور ایسی اچھی خبر لایا ہوں۔ کہ اس سے قبل کوئی تمہارے پاس نہیں لایا، اور مجھے خدا نے تمہیں اس کی طرف دعوت کا حکم دیا ہے تو تم میں سے کون ایسا ہے جو میرا وزیر بنے اور میرے کام میں میری مدد کرے تاکہ وہ میرا بھائی۔ میرا وصی اور میرا خلیفہ تمہارے درمیان ہو۔ کسی نے کوئی جواب نہ دیا مگر حضرت علی رضؓ نے عرض کی "میں یارسول اللہ"، اسی طرح حضرت نے تین مرتبہ فرمایا اور بجز حضرت علیؓ کے

سوا[1] کسی نے جواب نہ دیا تب آپ نے فرمایا تو ہی میرا وزیر، میرا وصی، میرا بھائی، میرا خلیفہ ہے ــــ اور یہ روایت باختلاف الفاظ تفسیر درّ منثور، مسند احمد بن حنبل، ریاض النضرہ وغیرہ کتب اہل سنت[1] میں بھی مذکور ہے۔" (ص۲۴، ص۲۵)

اس روایت سے چند باتیں معلوم ہوئیں

اول یہ کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت علانیہ کا آغاز فرمایا ہے۔ اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے آپ کو اپنے اہل قرابت کو دعوت دینے کا حکم ہوا تھا۔ روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فریضہ سے متعلق حکم خداوندی کی اس وقت تک تعمیل نہیں فرمائی۔ جب تک آپ پر عتاب الٰہی نازل نہیں ہوا۔

دوم یہ کہ اس موقعہ پر آپ نے بحکم خداوندی صرف اپنے اہل قرابت کو بلایا تھا جن میں آپ کے چچاؤں کا نام سرفہرست تھا۔ مگر ان میں سے کسی نے بھی آپ کی دعوت قبول نہیں کی بلکہ کھا پی کر ٹکا سا جواب دیدیا۔ بعد میں حضرت عباسؓ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کو تو اسلام کی سعادت نصیب ہوئی مگر ابولہب اور ابو طالب بدستور اپنی حالت پر رہے۔

سوم یہ کہ اس موقعہ پر آپ کے عزیزوں میں صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کی دعوت قبول کی۔ جن کی عمر اس وقت غالباً تیرہ سال تھی۔ اور آپ نے اپنے اہل قرابت کے درمیان (اس وقت جو سب کے سب غیر مسلم تھے) ان کو اپنا وزیر

[1] نقل مطابق اصل

اور خلیفہ مقرر فرمایا۔

رہا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد امت کے خلیفہ بھی حضرت علیؓ ہی ہوں گے؟ اس کا تصور اس وقت دور دور بھی نہیں تھا۔ کیونکہ آغاز دعوت کے وقت ابھی امت ہی کہاں وجود میں آئی تھی۔ جس کی خلافت و امارت کا سوال پیدا ہوتا۔

چہارم: جناب مصنف نے اس روایت کو مستند باور کرانے کے لئے اہل سنت کی کتابوں کے حوالے دئیے ہیں۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ اہل سنت کے نزدیک یہ روایت کس پائے کی ہے؟ حافظ ابن کثیرؒ نے اس روایت کو اپنی تفسیر میں نقل کر کے لکھا ہے:

تفرد بهذا السياق عبد الغفار بن القاسم بن ابي مريم وهو متروك كذاب شيعي اتهمه علي بن المديني وغيره بوضع الحديث وضعفه الائمة رحمهم الله (صـ۱۵۳ ج۲)	اس روایت کو تنہا عبد الغفار بن قاسم بن ابی مریم نقل کرتا ہے اور وہ متروک کذاب رافضی ہے۔ علی بن مدینی وغیرہ نے کہا کہ یہ شخص روایتیں گھڑا کرتا تھا اور آئمہ نے اس کی تضعیف کی ہے۔

۳۔ سورۂ مائدہ کی آیت ۶۷ (یاایها الرسول بلّغ ما انزل الیك من ربك) کے تحت مصنف لکھتے ہیں:

"ابن ابی حاتم نے ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے کہ یہ آیت غدیر خم میں حضرت علیؓ کے بارے میں نازل

ہوئی۔ اسی وجہ سے ابن مردویہ نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس آیت کو یوں پڑھتے تھے۔ "یاایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیاً مولی المؤمنین۔ وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ۔ واللہ یعصمک من الناس" (اے رسول جو حکم "اس بات کا کہ علی تمام مؤمنین کے حاکم ہیں" تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے، پہنچا دو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو سمجھ لو کہ تم نے اس کا کوئی پیغام ہی نہیں پہنچایا۔ (دیکھو تفسیر درمنثور ملا جلال الدین سیوطی۔ جلد ۲ صفحہ ۲۹۸ سطر ۸ مطبوعہ مصر۔ سچ یوں ہے کہ جناب رسالت مآبؐ ایک عرصہ سے چاہتے تھے کہ علی ابن ابی طالب کو اپنا خلیفہ نامزد کردیں مگر کچھ اپنے ساتھیوں کی مخالفت کے خوف سے اس پر اقدام نہ کرتے تھے۔ آخر خدا نے آخری حج کے بعد راستہ میں یہ تاکیدی حکم نازل کیا۔ تب تو حضرت مجبور ہوگئے۔ اور ایک مقام پر جس کا نام غدیر خم تھا ایک لاکھ آدمیوں کے سامنے اپنا خلیفہ نامزد کیا" (صـ۲۱۲)

مصنف کی ان عبارات سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ ایک یہ کہ غدیر خم سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اپنا خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا۔ اس لئے شیعہ صاحبان کی وہ تمام روایات از خود غلط ثابت ہوتی ہیں۔

جن سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا وصی بنایا تھا۔ ١٣

دوم یہ کہ اس واقعہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نامزدگی تب ثابت ہوتی ہے جب کہ اس آیت کریمہ میں تحریف کی جائے۔ کیونکہ قرآن کریم میں یہ آیت جس شکل میں موجود ہے اس کا ولایت علیؓ سے کوئی تعلق نہیں، اور راوی کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں "ان علیا مولی المؤمنین" کے الفاظ بھی اس آیت میں پڑھے جاتے تھے۔ پس اگر یہ روایت صحیح تسلیم کی جائے تو قرآن کریم غلط ہوتا ہے۔ اور اگر قرآن کریم کو صحیح اور درست تسلیم کیا جائے تو اس روایت کے بموجب ولایت علیؓ بھی غلط ہوجاتی ہے ہمیں معلوم ہے کہ شیعہ کو قرآن سے کوئی دلچسپی نہیں ان کا اصرار غالباً یہی ہوگا کہ یہ جھوٹی روایت بالکل سچی ہے اور قرآن نعوذ باللہ غلط ہے۔ بہرحال شیعہ جب تک قرآن کو غلط نہ کہیں ولایت علی ثابت نہیں ہوتی۔

سوم: یہ کہ جناب مصنف نے مولیٰ کے معنیٰ حاکم کے کئے ہیں، حالانکہ مولیٰ کا لفظ کثیر المعانی ہے۔ قرآن کریم میں ہے "فان اللہ ھو مولاہ وجبریل وصالح المؤمنین" کیا یہاں یہ معنیٰ کئے جائیں گے۔ کہ اللہ تعالیٰ۔ جبریل اور نیک مؤمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حاکم ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے تھے "انت مولانا" (تم ہمارے مولیٰ ہو) کیا اس کے یہ معنے ہوں گے کہ تم ہم سب کے حاکم اور خلیفہ

ہو؟ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ کو کسی موقعہ پر مولی المومنین فرمایا تو اس کے معنے خلیفہ بلا فصل کہاں سے نکل آئے۔

٨٤

چہارم: مصنف کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی نعوذ باللہ سیاسی لیڈروں کی طرح اپنے لوگوں سے خائف رہتے تھے کہ کہیں آمادۂ مخالفت ہوکر ساتھ نہ چھوڑ دیں

پنجم: علیؓ کی خلافت و نامزدگی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں عرفات و منیٰ کے عظیم الشان اجتماعات کو چھوڑ کر ایک گمنام ویرانے کا انتخاب فرمایا۔ جسے غدیرخم کہا جاتا ہے حجۃ الوداع میں اس کا اعلان نہ کرنے میں بھی شاید یہی حکمت ہوگی کہ لوگ برگشتہ ہوکر نہ چلے جائیں۔

ششم: بقول شیعہ غدیرخم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کو خلیفہ نامزد کرتے ہیں۔ لیکن اس کے دو ماہ بعد حضرت علیؓ کے بجائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے مصلی پر کھڑا کر دیتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرامؓ کو ان کا مقتدی بنا دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ اگر غدیرخم میں ان کو خلیفہ نامزد کیا تھا تو مرض الوفات میں ان کو اس منصب سے معزول کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین کر دیا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

بانیان مذہب شیعہ نے آفتاب نصف النہار پر خاک ڈالنے کے لئے "وصایت علی" کا جو عقیدہ تصنیف کیا اس کے مقاصد

حسب ذیل تھے :

۸۵ ۱- قرآن کریم کو تحریف شدہ ٹھہرانا۔ کیونکہ تحریف قرآن کے بغیر "ولایت علی" ثابت نہیں ہوتی۔

۲- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ناکام ثابت کرنا۔ کہ آپ کی ۲۳ سالہ محنت کا نتیجہ چند منافقوں کی بھیڑ جمع کرنے کے علاوہ کچھ ظاہر نہیں ہوا۔

۳- پوری امت اسلامیہ کو گمراہ قرار دینا۔ کیونکہ جب "وصی رسول" کا حق دبا کر لوگ مرتد ہو گئے۔ اور سب نے (نعوذ باللہ) ایک ظالم اور مرتد کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو ایک فرد بھی اسلام پر قائم نہ رہا۔

۴- یہ ثابت کرنا کہ اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔ ایک دن بھی آگے نہیں چلا ——— امام غائب کے زمانے میں حقیقی اسلام رونما ہوگا۔ مگر نہ وہ آئیں اور نہ اسلام آئے۔ گویا "وصایت علی" کا عقیدہ عداوت قرآن، عداوت رسول، عداوت اسلام اور عداوت امت اسلامیہ کے لئے تصنیف کیا گیا۔ اسی لئے حضرت علی رضؓ نے اپنی محبت میں غلو کرنے والوں کو گمراہ اور خارج از اسلام فرمایا۔

ج۔ افسانہ نگاری

اسلامی تاریخ میں افسانہ نویسی کا فن شاید سب سے پہلے شیعوں کی ایجاد ہے، واقعات کی فرضی و افسانوی تصویریں مرتب کرنا اور ان

پر عقائد و نظریات کی بنیادیں استوار کرنا شیعوں کا طرۂ امتیاز ہے چونکہ ان کی افسانہ طرازی کا اصل مدف "ائمہؑ علیؓ" کی تنقیص ہے اس لئے ان کے نزدیک مدح علیؓ کی تکمیل نہیں ہوتی جب تک کہ باقی سب کی نفی نہ کی جائے۔ جناب مصنف نے اس افسانہ نگاری کے نمونے اپنے حواشیٔ قران میں جگہ جگہ پیش کئے ہیں چند ایک آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

۱- سورۃ الانفال کی آیات ۶۱ تا ۶۴ میں ارشاد ہے:

"اور اگر یہ کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو۔ اور خدا پر بھروسہ رکھو (کیونکہ) وہ بیشک سب کچھ سنتا جانتا ہے (۶۱) اور اگر وہ لوگ تمہیں فریب دینا چاہیں تو (کچھ پرواہ نہیں) خدا تمہارے واسطے یقینی کافی ہے، (اے رسول) وہی تو وہ (خدا) ہے جس نے اپنی خاص مدد اور مومنین سے تمہاری تائید کی (۶۲) اور اسی نے ان (مسلمانوں) کے دلوں میں باہم ایسی الفت پیدا کر دی کہ اگر تم جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کا سب خرچ کر ڈالتے۔ تو بھی ان کے دلوں میں ایسی الفت پیدا نہ کر

لہ شیعہ حضرات دوازدہ امام کے قائل ہیں بیکن افسوس کہ ان تین ائمہ کو نہیں مانتے جن کے ہاتھ پر مولانے علی رضؓ نے بیعت کی۔ جن کے نام پر اپنی اولاد کے نام رکھے اور جن کو رشتے دئے۔ میں نے انکو "ائمہ علی" کے لقب سے بے محل تعبیر نہیں کیا۔ امام اول تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ تھے دو باقی دو حضرت علی رضؓ کے پسندیدہ۔

سکے۔ مگر خدا ہی تھا جس نے ان میں باہم الفت پیدا
کی، بے شک وہ زبردست حکمت والا ہے (۶۳) اے
رسولؐ، تم کو بس خدا اور جو مومنین تمہارے تابع فرمان
ہیں۔ کافی ہیں (۶۴) (ترجمہ فرمان علی)

ان آیات میں جن مومنین کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کی تائید و نصرت کا ذکر کیا گیا ہے مصنف کے نزدیک اس
سے صرف حضرت علیؓ مراد ہیں؛ چنانچہ لکھتے ہیں:-

"ابن عساکر نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے۔۔۔
کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ عرش پر لکھا ہوا ہے کہ میرے
سوا کوئی معبود نہیں۔ میں یکتا ہوں، میرا کوئی شریک نہیں۔
محمدؐ میرا بندہ اور میرا رسول ہے، میں نے اس کی علیؓ سے
مدد کی ہے اور یہی مطلب ھو الذی ایدک الآیۃ
کا ہے" (ص۳۳)

لیجیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار صرف علیؓ تھے
اور وہی "مومنین کی جماعت" ہیں۔ باقی صفر۔

۲۔ قیدیانِ بدر کا واقعہ مشہور ہے، جس کے بارے میں سورۃ الانفال
کی آیت ۶۷ ما کان لنبی ان یکون لہ اسریٰ الآیۃ نازل
ہوئی۔ جناب مصنف لکھتے ہیں:

"جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں رسولؐ نے اصحاب سے
مشورہ کیا، حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ یہ لوگ آپ کی قوم
کے ہیں اور رشتہ دار ہیں ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیجئے۔

حضرت حمزہؓ نے کہا یہ لوگ مشرکوں کے پیشوا ہیں انہوں
نے آپ کو شہر بدر کیا ہے ان پر رحم کھانا مناسب نہیں
حکم دیجیئے کہ سب کی گردن مار دی جائے، عباسؓ کو میرے
حوالے کیجیے۔ عقیل کو علیؓ کے، علیٰ ہذا القیاس۔ اللہ رے
جوشِ ایمان۔ سعد بن معاذ نے کہا کہ ان سب کو ایک گڑھے
میں ڈال کر اوپر سے کوڑا رکھ کر آگ لگا دیجیئے۔ حضرت
رسولؐ نے فرمایا۔ تین حال سے خالی نہیں۔ یا یہ لوگ فدیہ
دیں، یا اسلام قبول کریں یا قتل کئے جاویں۔ مگر کچھ اصحاب
نے فدیہ لے کر سب کو چھوڑ دیا۔ اور کسی کو قتل نہ کیا دوسرے
روز حضرت رسولؐ کو دیکھا کہ وہ بہت رنجیدہ بیٹھے ہیں۔
حضرت ابوبکرؓ نے سبب پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ تمہاری
اور تمہارے ساتھیوں کی طمع میں فدیہ لینے سے عذاب اتنا
قریب تھا جیسے یہ درخت۔ اسی بناء پر خدا نے یہ آیت
نازل فرمائی" (ص۳۳)

اسی کے ساتھ مصنف یہ بھی لکھتے ہیں:

"ملا عبدالرزاق محدث حنبلی نے اپنی کتاب عزالدین میں
روایت کی ہے کہ یہ آیت خاص حضرت علیؑ کی شان میں
نازل ہوئی"

اس واقعہ میں مصنف نے جو افسانہ نگاری کی ہے اس کے چند
نکتے ملاحظہ فرمائیے:-

الف: قیدیان بدر کے قتل کا مشورہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا

لیکن مصنف کو " داماد علی " اور " امام علی " کا نام لینا گوارا نہیں مصنف نے
ان کی جگہ حضرت حمزہ رضؓ کا نام جڑ دیا اور " اللہ رے جوش ایمان " کہہ
کر ان کو داد بھی دے دی۔

ب : حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشورے سے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے موافقت فرمائی تھی اس لئے وہ عتاب میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک حال تھے۔ اور یہ ایسی منقبت ہے جو
کسی دوسرے کو میسّر نہیں آئی۔ مگر مصنف ان پر " طمع " کی تہمت
لگاتے ہیں۔

ج : مصنف بتاتے ہیں کہ " اصحاب نے سب کو فدیہ لے کر چھوڑ
دیا " ـــــ حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ تین آدمیوں کو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قتل کیا گیا۔

د : اس آیت کریمہ میں حضرت علیؓ کا دور و نزدیک کوئی ذکر نہیں مگر مصنف بتاتے
ہیں کہ یہ آیت خاص حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی۔

۳۔ سورۃ آل عمران کی آیت ۱۵۵ کے تحت جنگ احد کا واقعہ لکھتے ہیں:

" اس جنگ میں لشکر اسلام کے علمبردار حضرت علیؓ تھے اور کفار کا طلحہ بن ابوطلحہ
دارمی۔ سب سے پہلے انہی دونوں میں مٹھ بھیڑ ہوئی۔ حضرت علیؓ نے ایک
ہی وار میں اس کو واصل جہنم کیا اس کے بعد ابوسعید بن ابوطلحہ نے علم اٹھایا
اور اسکو بھی آپ نے قتل کیا اس کے بعد باری باری نو آدمیوں نے اسے
اٹھایا اور آپ کے ہاتھ سے فی النار ہوئے آخر صواب نامی ایک حبشی
غلام نے ہمت کی اور آپ کے سامنے آیا اور علمبرداری کے عہدے پر
فائز ہوا آخر وہ بھی ٹھنڈا ہو گیا تب ایک عورت عزہ بنت علقمہ نے

اس نشان کو بلند کیا اور ایک طرف انصار نے قریش پر حملہ کیا اس کے
بعد پھر سب کے سب ـــ مہاجر و انصار بھاگتے نظر آئے ایک طرف
حضرت امیر حمزہ نے کشتوں کے پشتے لگائے اتنے میں ہندہ زوجہ
ابوسفیان نے ایک حبشی غلام کو اپنے وصل کے وعدہ پر ابھارا کہ تو
محمدؐ یا علیؓ یا حمزہ کا سر کاٹ لا وہ بولا محمدؐ تک تو میری رسائی نہیں ہو سکتی
اور علیؓ سے خوف معلوم ہوتا ہے، مگر حمزہ کو قتل کرتا ہوں " (ص۱۲۴)

ذرا واقعہ کی تصویر ملاحظہ فرمائیے۔ مہاجرین و انصار سب بھاگتے
نظر آئے۔ حضرت حمزہ شہید ہو گئے۔ میدان تنہا حضرت علیؓ نے
جیت لیا۔ اور " ہندہ زوجہ ابوسفیان نے حبشی غلام کو اپنے وعدۂ
وصل پر ابھارا " ایسی گندی گالی ہے جو ارباب متعہ ہی کے قلم
سے نکل سکتی ہے۔

۴ ـــــ جنگ احزاب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

" خندق کے تیار ہونے کے تین روز بعد کفار کا لشکر بھی
آگیا۔ اور مسلمانوں کے رہے سہے حواس جاتے رہے۔ کفار
کا لشکر مدینہ سے پچھم میدان میں خیمہ زن ہوا۔ مسلمان تو
خندق کے قلعہ میں تھے اور کفار محاصرہ کئے ہوئے
یہاں تک کہ ستائیس روز گذر گئے۔ فریقین سے پتھراؤ
اور تیر چلتے رہے اور موقعہ پا کر شب خون بھی ہوتے
اور حضرت ان کا دفعیہ کرتے مگر جب سختی انتہا کو پہنچی
اور مسلمانوں کی حالت وہ تھی جس کو خدا نے خود بیان
فرما دیا ہے تو آپ نے سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ

سے مشورہ کیا۔ کہ آیا ان لوگوں کو کچھ دے لیکر واپس
کر دوں۔ دونوں نے نہایت دلیری اور جوش کے ساتھ
جواب دیا کہ اگر اس بارے میں وحی آئی ہو تو جائے
دم زدن نہیں۔ ورنہ ہم ہرگز اس کو پسند نہیں کرتے،
ان کو تلوار کے سوا اور کچھ نہ دیں گے۔ اس وقت آپ
کو بھی ان کی طرف سے اطمینان ہوا (گویا پہلے آپ ان
کی طرف مطمئن نہیں تھے۔ ناقل)

اب ادھر کا حال سنیئے۔ عمرو بن ود نے اپنے
ساتھیوں سے کہا ہم کہاں تک محاصرہ کئے رہیں گے۔
ہم میں اب تاب ضبط باقی نہیں۔ چلو خندق پھاند کر
حملہ کریں۔ غرض چند آدمیوں کو لے کر اچانک ایک
دروازے سے اس پار پہنچا اور اپنا نیزہ گاڑ کر جوش
شجاعت میں گھوڑا کدانے لگا۔ اور مقابل طلب ہوا۔
حضرت نے اپنے اصحاب سے پوچھا سب نے اپنے
سر جھکا لیئے مگر حضرت علی اٹھ کھڑے ہوئے، آپ
نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ اور دوبارہ آواز دی پھر سب
کے سب چپ ہو رہے۔ بلکہ حضرت عمرؓ نے عرض
کی یا حضرت کس کو اپنی جان دوبھر ہے کہ اس کے
مقابلے کو جائے، میں ایک دفعہ اس کے ساتھ سفر
میں تھا اور یہ خالی ہاتھ تھا۔ کہ ایک ہزار آدمیوں نے
ہم پر حملہ کیا تو اس نے اپنے اونٹ کی سپر بنائی۔

اور ایک کھجور کے درخت کا حربہ بنا کر ان پر حملہ آور
ہوا اور سب کو مار بھگایا اور ان کو لوٹ بھی لیا یہ سن کر
اصحاب پر جو اثر پڑا وہ ظاہر ہے۔ غرض سوائے حضرت
علیؓ کے اور کوئی تیار نہ ہوا، آپ نے فرمایا اے علیؓ!
یہ عمرو بن ود ہے۔ عرض کی اگر وہ عمرو ہے تو میں بھی
علی ہوں۔ غرض تین دفعہ پوچھنے کے بعد اپنی زرہ حضرت
علی کو پہنائی، اپنا عمامہ باندھا۔ اور اپنی تلوار دی اور
رخصت کر کے دعا کی۔ خداوندا تو اس کا ہر طرف سے
نگہبان رہنا، خدایا! میرے تین مددگار تھے۔ عبیدہؓ
کو تو نے جنگ بدر میں اٹھا لیا اور حمزہؓ کو احد میں اب
یہی ایک باقی رہ گیا ہے تو ہی اس کا محافظ ہے۔

غرض جناب امیر اس کے پاس پہنچے تو
پہلے اس نے آپ کے مقابلہ سے انکار کیا بعد اصرار
وہ مقابل ہوا تو دونوں میں حملے پر حملے ہوتے رہے اور
اس قدر غبار بلند ہوا کہ دونوں چھپ گئے۔ آخر اس
نے ایک وار کیا جو آپ نے سپر پر روکا۔ مگر اس
پر بھی کچھ سر زخمی ہو گیا۔ پھر آپ نے زخم باندھ کر
ایک وار کیا۔ تو اس کا پاؤں کٹا۔ اور گرا۔ آپ نے
فوراً اس کے سینہ پر سوار ہو کر اس کا سر کاٹا۔ اور
نعرۂ تکبیر بلند کیا اور اس کا سر لئے حضرت رسولؐ
کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اسی حملہ کے بارے

میں رسالتمآبؐ نے فرمایا تھا۔ "ضربة علی یوم الخندق افضل من عبادة الثقلین الی یوم القیمة"۔ خندق کے روز علی کی ضربت جن وانس کی عبادت سے قیامت تک افضل ہے۔ عمرو بن ود کے قتل ہونے کے بعد اس کے
ساتھی تتر بتر ہوگئے۔" (صـ۵۳) ۹۳

لیجئے جنگ خندق بھی صرف حضرت علی رض نے لڑی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت علی رض، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اکلوتے مددگار تھے۔ ان کے سوا آپ کا کوئی مددگار نہ تھا اور یہ بھی کہ سارے جن وانس کی عبادت ایک ضربت علی رض کا پاسنگ نہیں۔ لاحول ولا قوة الا باللہ۔

۵۔ سورہ التوبہ کی آیت ۱۰۰ (والسابقون الاولون من المهاجرین والانصار۔ الآیة) میں اللہ تعالےٰ نے اہل ایمان کی تین جماعتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ سابقین اولین مہاجرین وانصار۔ اور ان کے متبعین بالاحسان۔ اور ان تینوں جماعتوں کے لئے دنیا میں رضی اللہ عنهم ورضوا عنه" کی بشارت کا اور آخرت میں دائمی جنت کا اعلان فرمایا ہے۔ لیکن جناب مصنف کے نزدیک یہ ساری فضیلت صرف علی رض کے ساتھ مخصوص ہے وہ لکھتے ہیں:۔

"خلاصہ یہ کہ ان صفات کے مستحق اصلی طور پر حضرت علیؑ ہی ہیں۔" (صـ۳۶۲)

چونکہ مصنف کو قرآن کریم کی تفسیر میں بھی افسانہ نگاری مقصود ہے اس لئے انہیں یہ سوچنے کی ضرورت نہیں کہ یہاں ذکر تین

جماعتوں کا ہے تین جماعتوں کی صفات کسی فرد واحد کے ساتھ کیسے مخصوص ہوگئیں۔

۶۔ سورہ مائدہ کی آیت ۵۴ میں فرمایا گیا ہے:۔

یاایها الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینه فسوف یأتی اللہ بقوم یحبهم ویحبونه اذلة علی المؤمنین اعزة علی الکافرین۔ یجاهدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومة لائم۔ ذلك فضل اللہ یؤتیه من یشاء۔ واللہ واسع علیم۔

اے ایماندارو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا۔ تو (کچھ پرواہ نہیں پھر جائے) عنقریب ہی خدا ایسے لوگوں کو ظاہر کردے گا۔ جنہیں خدا دوست رکھتا ہوگا۔ اور وہ اس کو دوست رکھتے ہوں گے۔ ایمانداروں کے ساتھ منکسر اور کافروں کے ساتھ کڑے۔ خدا کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی کچھ پرواہ نہ کریں گے۔ یہ خدا کا فضل وکرم وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور خدا تو بڑی گنجائش والا واقف کار ہے (ترجمہ فرمان علی)

اس آیت کریمہ میں پیشین گوئی کی گئی ہے کہ جب فتنۂ ارتداد رونما ہوگا تو اللہ تعالےٰ ان مرتدین کے مقابلے میں ایک ایسی قوم ظاہر فرمائیں گے۔ جو اللہ تعالےٰ کے محبوب اور محب ہوں گے اہل ایمان کے ساتھ نرم خو اور متواضع اور کافروں کے مقابلہ میں

سخت گیر اور غالب ہوں گے ۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مرتدین سے جہاد کریں گے اور کسی کی ملامت کی کچھ پرواہ نہیں کریں گے۔

یہ فتنۂ ارتداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام میں رونما ہوا جب بنوحنیفہ میں مسیلمۂ کذاب نے، بنواسد میں طلیحۂ اسدی نے اوریمن میں اسود عنسی نے دعویٰ نبوت کیا اور بہت سی مخلوق کو اپنے ساتھ ملالیا پھر وصال نبویؐ کے بعد عرب کے بہت سے قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، یہ اسلامی تاریخ میں پہلا فتنۂ ارتداد تھا۔ جس کا مقابلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اوران کی جماعت نے نہایت پامردی سے کیا جس سے سفیدۂ صبح کی طرح واضح ہوگیا کہ آیت بالا میں اسی جماعت کے بروئے کار لانے کی پیشین گوئی کی گئی تھی۔ اور یہ کہ اس سے اگلی دوآیتیں بھی حضرت ابوبکرؓ اور انکی جماعت سے متعلق ہیں:

انما ولیکم الله ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰة ویؤتون الزکوٰة وھم راکعون ۔ ومن یتول الله ورسولہ والذین آمنوا فان حزب الله ھم الغالبون

تمہارے دوست تو اللہ تعالیٰ اوراس کے رسولؐ اور ایمان دار لوگ ہیں جو کہ اس حالت سے نماز کی پابندی رکھتے ہیں اورزکوٰۃ دیتے ہیں کہ ان میں خشوع ہوتا اورجو شخص اللہ تعالےٰ سے دوستی رکھے گا ۔ اوراس کے رسول سے اور ایمان دارلوگوں سے ، سو اللہ کا گروہ بلاشک غالب ہے۔

پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جماعت "حزب اللہ"

ہے جو سب پر غالب آکر رہی اسی جماعت کے ایک فرد حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی ہیں۔ لیکن جناب مصنف ان آیات کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں چنانچہ پہلی آیت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:۔

" اگرچہ اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے۔ اور بعض اقوال کے موافق حضرت علیؓ ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو جو صفات خداوند عالم نے اس آیت میں بیان کئے ہیں اس کا سچا مصداق آپ کے سوا اصحاب رسولؐ میں دوسرا نہیں ہو سکتا" (ص۲۰۸)

اور دوسری آیت کے تحت لکھتے ہیں:۔

" یہ آیت باتفاق مفسرین شیعہ وسنی موافق ومخالف، حضرت علیؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اس سے تصریحی طور پر حضرت علیؓ کا خلیفہ بلافصل ہونا ثابت و واضح ہوتا ہے جب آپ نے حالت رکوع میں سائل کو انگشتری دی" (ص۲۰۹)

یہ روایت تو رافضیوں کی تصنیف ہے جس کے سہارے جناب مصنف اس آیت کو حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل پر نص صریح فرمارہے ہیں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ان آیات میں جس فتنۂ ارتداد کی خبر دی گئی ہے اورجس کے مقابلہ میں ایک قوم کو لانے کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اور جسے "حزب اللہ" کہہ کر ان کے غلبہ کی بشارت دی گئی ہے۔ وہ فتنۂ ارتداد کونسا تھا؟ کس نے ان مرتدین

کامقابلہ کیا ؟ اور"حزب اللہ" کی حیثیت سے کون غالب آیا؟
یہ حضرت ابوبکرؓ اور ان کی جماعت تھی۔ جس میں حضرت علی رضی
اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

۷۔ سورۂ فتح کی آخری آیت (محمد رسول اللہ والذین معہ
الآیۃ) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوئ رسالت کے ثبوت
میں آپ کے رفقاء کی صفات خیر کا تذکرہ کر کے آخر میں فرمایا گیا ہے۔

لیغیظ بھم الکفار — اور انہیں (جلد ترقی اس لئے دی) تاکہ
ان کے ذریعہ کافروں کا جی جلائے۔

(ترجمہ فرمان علی)

جناب مصنف کے نزدیک اس آیت کے مصداق صرف
حضرت علی رضؓ ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"یہ تمام صفتیں جس میں پائی جاتی ہیں وہی اس کا مستحق
ہے۔ چونکہ بقول رسولؐ اس کے بعد کی آیت (بعد کی آیت
سے مراد شاید آیت کا آخری حصہ ہے ناقل) علی بن
ابی طالب کی شان میں ہے لہٰذا قرینہ یہ کہتا ہے کہ یہ
بھی انہی کے یا ان کے مثل جو ان تمام صفات سے
متصف ہوں۔ ان کی شان میں ہے۔ اللہ بس. باقی
ہوس" (ص۹۳۳)

قرآن کریم نے تو "والذین معہ" کی تعریفیں فرمائی ہیں
اس لئے حضرت علیؓ بھی یقیناً ان کا مصداق ہیں اور جن اکابر
کو آج تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت نصیب ہے

وہ حضرت علی رضؓ سے بڑھ کر اس کا مصداق ہیں۔ اور جو لوگ "والذین
معہ" سے جلتے ہیں وہ ارشاد خداوندی لیغیظ بھم الکفار"
(تاکہ ان کے ذریعہ کافروں کا جی جلائے) کے زمرے میں آتے
ہیں۔

۸۔ اسی آیت کریمہ کے آخر میں فرمایا ہے:۔

وعد اللہ الذین آمنوا — جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اچھے کام کرتے
وعملوا الصّٰلحٰت منھم — رہے خدا نے ان سے بخشش اور اجر
مغفرۃ واجرًا عظیمًا۔ — عظیم کا وعدہ کیا ہے۔

جناب مصنف نے اس آیت کے لئے مندرجہ ذیل افسانہ
تصنیف کیا ہے:۔

"ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اس آیت کے
نازل ہونے پر کچھ لوگوں نے حضرت رسولؐ سے پوچھا
کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے آپ نے
فرمایا۔ قیامت کے دن نور کا ایک علم (لواء حمد) تیار
ہو گا۔ اور ایک منادی آواز دے گا۔ کہ سید المؤمنین
اور مؤمنین کھڑے ہو جائیں۔ یہ سن کر علی ابن ابی طالب کھڑے ہو جائیں
گے تو ان کے ہاتھ میں وہ علم دیا جائے گا۔ اس کے نیچے مہاجرین والانصار میں
سے وہ مؤمنین جو سابقین اولین ہیں سب کے سب جمع
ہو جائیں گے اور ان میں ان کے سوا کوئی اور نہ ہوگا۔
پھر علی رضؓ ایک نور کے ممبر پر بیٹھیں گے اور ایک
ایک کر کے سب لوگ ان کے سامنے پیش کئے جائیں

گے اور یہ ہر ایک کو اس کا اجر اور نور عطا کریں گے جب آخر شخص کی نوبت عطا آئے گی۔ تو ان لوگوں سے کہا جائے گا تم لوگوں نے اپنے اپنے مقام منزلت کو جنت میں دیکھا۔ تمہارے پروردگار نے تو تم سے یہ کہدیا تھا۔ کہ میری بارگاہ تمہارے لئے مغفرت اور اجر عظیم یعنے بہشت ہے۔ پھر علی رضؓ اٹھیں گے۔ اور یہ سب مومنین ان کے علم کے نیچے ہوں گے پھر ان سب کو جنت میں جا پہنچائیں گے۔ پھر اپنے منبر کی طرف پلٹیں گے۔ اور برابر مؤمنین ان کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ اور ان کے ہاتھ سے بہشت کا اپنا اپنا حصہ لیں گے اس کے بعد کچھ لوگوں کو جہنم میں ڈال دیں گے۔ یہی مطلب ہے خدا کے قول الذین آمنوا الآیۃ اور الذین کفروا وکذبوا بآیٰتنا اولئك اصحٰب الجحیم کا، یعنی علی رضؓ کے حق کی ولایت کی وجہ سے لوگ جنت وجہنم کے مستحق ہوں گے اور ان کا حق سارے جہاں پر واجب ہے (دیکھو شواہد التنزیل حاکم ابو القاسم عسکانی؛ (ص ۹۲۴)

یعنے اجر و نور اور جنت و دوزخ سب علی رضؓ کے قبضہ میں ہے جس کو جو چاہیں عطا فرمائیں۔ صد شکر سابقین اولین مہاجرین و انصار (جن میں حضرات ابو بکر رضؓ و عمر سب سے پہلے شامل ہیں) سید المؤمنین کے ساتھ سب سے پہلے جنت میں تشریف لے جائیں گے۔ اور ان کے دشمن وہاں بھی "لیغیظ بهم الکفار" کا منظر پیش کریں گے۔

۱۰۰

د: شیعہ اور آل رسول

شیعہ جو حُبّ علی رضؓ میں غلو کرتے اور ان کی مدح میں آسمان و زمین کے قلابے ملاتے ہیں اس کا منشاء، جیساکہ اوپر عرض کیا گیا، قرآن کریم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضؓ اور اسلام کے خلاف اپنی نفرت و بُغض کا اظہار ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی مظلومیت کی جو فرضی تصویر شیعہ کھینچتے ہیں اس سے خود حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی شخصیت مجروح ہو جاتی ہے اور ان کے کمالات پر پانی پھر جاتا ہے۔ مثلاً:-

○ - انہوں نے ۲۵ برس تک منافقوں اور مرتدوں کی امامت میں نمازیں پڑھیں اور تمام دینی و دنیوی معاملات میں ان کے ساتھ شریک رہے

○ - ان کی گردن میں رسّی ڈال کر انہیں بیعت کے لئے گھسیٹا گیا۔ اور ان سے بہ جبر بیعت لی گئی۔

○ - ان کی زوجہ مطہرہ خاتون جنت پر کوڑے برسائے گئے۔ ان کا حمل ساقط کر دیا گیا اور ان کا گھر جلا دیا گیا۔

○ - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خلیفہ بلافصل نامزد کیا تھا مگر کسی نے ان کو خلیفہ بنانا پسند نہ کیا۔

○ ۵ - اپنی زوجہ مطہرہ خاتون جنت کو گدھے پر سوار کر کے مہاجرین و انصار کے ایک ایک دروازے پر لئے پھرے مگر سوائے

تین کے کسی نے ان کی بات نہ مانی۔

○ ۔ قرآن کریم میں ان کے سامنے تحریف کی گئی۔ اسے پارہ پارہ کیا گیا۔ اسے جلایا گیا مگر وہ ردلئے تقیہ اوڑھے رہے۔

○ ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی امت کو کفر اور نفاق کی طرف پلٹتے دیکھا۔ مگر ان کی ہدایت کے لئے کچھ نہ کہا۔

○ ۔ ان کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت پر ظلم وجور کے پہاڑ ڈھائے گئے، ان کا حق چھینا گیا، مگر آپ کو کوئی جنبش نہ ہوئی۔ تاآنکہ ملا باقر مجلسی کے بقول حضرت خاتون جنت نے انہیں یہ کہہ کر غیرت دلانا چاہی۔

مانند جنین در رحم پردہ نشین	تو پیٹ کے بچے کی طرح
شدہ و مثل خائنان درخانہ گریختہ	پردہ نشین ہوگیا ہے اور خائنوں
و بعد ازاں کہ شجاعانِ دہر را	کی طرح گھر میں بھاگ آیا ہے اور
بخاک ہلاک افگندی مغلوب	بعد اس کے کہ زمانے کے سورماؤں
این نامرداں گردیدہ۔	کو خاک ہلاک میں ڈالا۔ ان نامردوں
(حق الیقین ص۲۰۳ ۔ مطبوعہ ایران)	سے مغلوب ہوگیا ہے۔

مگر آپ کو پھر بھی انگیخت نہ ہوئی اور حد یہ کہ خود اپنے دور خلافت میں بھی آل رسول کا حق ان کو نہ دلایا۔ شیعوں نے آل رسول کو مظلوم ثابت کرنے کے لئے جو فرضی واقعات تصنیف کئے ہیں ان سے خود حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی جو شخصیت سامنے آتی ہے، اسے کوئی شخص بھی اپنے لئے پسند نہیں کرسکتا چہ جائیکہ اسداللہ الغالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس گھناؤنی تصویر

کو پسندیدہ کیا جائے۔ اس کے برعکس حضرت ابوبکرؓ و عمر رضی اللہ عنہما سے بظاہر شیعہ نفرت کا اظہار کرتے ہیں مگر ان کے باطنی کمالات اور ان کی پرکشش شخصیت کے ایسے قائل ہیں کہ باید و شاید مثلاً:۔

○ ۔ اہل عرب جو کسی کے مطیع اور فرمانبردار بن کر رہنا جانتے ہی نہ تھے۔ ان حضرات نے ان کو ایسا مسخر کیا کہ بس انہی کے ہو کر رہ گئے اور ۲۵ برس کے عرصہ میں ساری دنیا پر چھا گئے،

○ ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے تیار کرنے میں تئیس سال لگے تھے، مگر ان حضرات نے چشم زدن میں اہل اسلام کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ کہ مسلمان ان حضرات کے مقابلہ میں کسی کو ترجیح نہ دیتے تھے۔

○ ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لاکھ کے مجمع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل پر نص کی تھی، مگر حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے ان کو خلیفہ نہ بننے دیا، ان کا یہ کارنامہ ایک معجزے سے کم نہیں کہ مختلف قبائل اور مختلف عادات کے ایک لاکھ انسانوں کو اس نص سے ٹکرا دیا۔ اور لاکھ انسانوں کے مجمع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو چار ہزار حمایتوں کا میسّر آنا بھی ناممکن بنا دیا۔

○ ان حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن کے مقابلہ میں نیا قرآن بھی تصنیف کر لیا، اور تمام لوگ حتیٰ کہ خود حضرت علیؓ اور ان کے بعد آئمہ معصومین بھی بڑے ذوق و

وشوق سے اس نئے تصنیف شدہ قرآن کی تلاوت کرکے ثواب کمانے لگے اور حضرت علی رضہ نے جو "اصلی تے وڈا قرآن" مرتب کیا تھا۔ وہ دنیا کی نظر سے روپوش کرا دیا۔

○ ان حضرات کا ایک بڑا ہی حیرت انگیز کارنامہ یہ ہے کہ وہ آج تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوشِ رحمت میں آسودہ ہیں۔ وہ "صاحبِ غار" بھی تھے اور آج تک "صاحب مزار" بھی ہیں۔

○ ان کا ایک عظیم الشان کارنامہ یہ ہے کہ ان حضرات نے جو منہاج خلافت قائم کر دیا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے دورِ خلافت میں اس منہاج سے ایک انچ بھی اِدھر اُدھر نہیں جا سکے، فدک کی جو کیفیت ان حضرات کے زمانے میں تھی وہی رہی۔ جو اذان ان کے زمانے میں دی جاتی تھی۔ وہی حضرت علی رضہ کے زمانے میں دی جاتی رہی۔ (شیعوں کی اذان جاری نہ کر سکے) تراویح پر پابندی عائد نہ کر سکے۔ اور متعہ شریف جیسی پاک اور مقدس چیز کو رواج نہ دے سکے۔ الغرض شیخین کے زمانے کا منہاج و دستور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے میں بھی جاری رہا۔

اب شیعی عقائد کی روشنی میں حضرات شیخین رضہ کا مقابلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ اگر حضرت علی رضہ امام تھے تو شیخین رضہ امام الائمہ تھے۔ اگر حضرت علی رضہ معصوم تھے تو شیخین کو شاید عصمت سے بھی بڑھ کر کوئی مقام حاصل تھا۔ اور اگر حضرت علی صاحب معجزہ تھے۔ تو شیخین کی معجزہ نمائی ان

سے کہیں بڑھ کر تھی۔

واقعۃً حضرت علی کرم اللہ وجہہ نہ معصوم تھے۔ نہ خلیفہ بلا فصل تھے، نہ صاحب معجزہ تھے۔ نہ ان کے اور حضرات شیخین رضہ کے درمیان کوئی منافرت تھی، سب باہم شیر و شکر تھے۔ شیخین رضہ کے زمانے میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کے تمام معاملات میں مشیر و وزیر تھے۔ شیعوں نے شیخین رضہ کو بدنام کرنے کے لئے جو فرضی کہانیاں تصنیف کی ہیں۔ وہ درحقیقت حضرات شیخین رضہ کو نہیں بلکہ خود حضرت علی کرم وجہہ کو بدنام کرنے کے لئے ہیں۔

۲۔ حضرت علی رضہ نے اپنے زمانہ خلافت میں شیعوں کے ہاتھوں جو دکھ اٹھائے۔ وہ نہج البلاغہ کے خطبات سے واضح ہیں۔ آپ بار بار ان کی خیانت و بے وفائی کی شکایتیں فرماتے ہیں اور ان کے حق میں بد دعائیں دیتے ہیں۔ نہج البلاغۃ مطبوعہ مصر قسم اول ص۶۷ میں ہے:

" مجھے خبر ملی ہے کہ بُسر نے یمن پر چڑھائی کی ہے، اور میں خدا کی قسم گمان کرتا ہوں کہ یہ لوگ تم سے بازی لے جائیں گے۔ کیونکہ وہ اپنے باطل پر متفق ہیں اور تم اپنے حق پر متفرق ہو تم اپنے امام کی نافرمانی کرتے ہو اور وہ اپنے امام کی باطل میں بھی اطاعت کرتے ہیں۔ وہ اپنے صاحب کے ساتھ امانت داری کرتے ہیں اور تم خیانت کرتے ہو اگر میں تم میں سے کسی کے پاس ایک قعب امانت رکھواؤں تو مجھے ڈر ہے کہ وہ اس کی

دستی لے جائے۔ اے اللہ! میں نے ان کو عاجز و رنجیدہ کر دیا اور انہوں نے مجھے۔ لہٰذا مجھے ان کے عوض ان سے اچھے لوگ دے اور ان کو میرے عوض میں مجھ سے برا حاکم دے۔ اے اللہ! ان کو گھلا دے جیسے پانی میں نمک گھلا دیا جاتا ہے۔ اللہ کی قسم! میں یہ آرزو کرتا ہوں کہ کاش مجھے تمہارے عوض میں ایک ہزار سوار قبیلۂ بنی فراس بن غنم کے ملجائے۔"

اس قسم کی بہت سی شکائتیں اور بد دعائیں شیعوں کے حق میں فرمائیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اسلاف شیعہ، جو خود حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے مصاحب و رفیق تھے ان کے دل میں حضرت کا ذرا بھی احترام نہیں تھا۔ حضرت امیرؓ ان کو نافرمان بے وفا، بزدل، خائن، مفسد، حیلہ باز، بدعہد، ناقابل اعتماد، بے غیرت وغیرہ وغیرہ کے خطابات دیتے تھے، ان شیعوں کی بدولت اپنی زندگی سے تنگ آ گئے تھے۔ اور شیعوں کے مقابلہ میں حضرت معاویہؓ کے لوگوں کو لائق رشک فرماتے تھے۔۔۔۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عزت و حرمت اسلافِ شیعہ کے دلوں میں ہوتی تو حضرت ان کے رویے سے نالاں و شکوہ کناں نہ ہوتے اور جب اسلاف شیعہ کا یہ حال تھا تو اخلاف شیعہ کا کیا حال ہو گا۔

۲۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد سبط اکبر ریحانۃ الرسول حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان کے جانشین ہوئے، شیعوں نے ان کو

اس قدر ستایا کہ آپ نے تنگ آکر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرلی۔ اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ احتجاج طبرسی مطبوعہ ایران ص۱۴۸ میں ہے:

"زید بن وہب جہنی سے روایت ہے کہ جب امام حسن رضی اللہ عنہ کو مدائن میں نیزہ مارا گیا تو میں ان کے پاس گیا اس وقت ان کو زخم کی تکلیف تھی۔ میں نے کہا اے فرزند رسول! آپ کی کیا رائے ہے۔ لوگ بہت متحیر ہو رہے ہیں۔ امام نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں معاویہؓ کو اپنے لئے ان لوگوں سے بہتر سمجھتا ہوں۔ جو اپنے کو میرا شیعہ کہتے ہیں انہوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا، میرا اسباب لوٹا اور میرا مال لے لیا۔ اللہ کی قسم! میں معاویہ سے کوئی معاہدہ کر لوں جس سے میری جان اور میرے متعلقین کی حفاظت ہو جائے یہ بہتر ہے اس سے کہ شیعہ مجھے قتل کر دیں اور میرے متعلقین ضائع ہو جائیں۔ واللہ! اگر میں معاویہؓ سے لڑتا تو شیعہ میری گردن پکڑ کر مجھے معاویہ کے حوالے کر دیتے۔ واللہ عزت کے ساتھ معاویہؓ سے صلح کر لینا اس سے بہتر ہے کہ مجھے گرفتار کر کے قتل کریں یا احسان رکھ کر آزاد کریں۔ یہ احسان ان کا بنو ہاشم پر قیامت تک رہے گا۔ اور معاویہؓ برابر اس احسان کا اظہار ہمارے زندہ و مردہ پر کرتے رہیں گے۔"

اس سے واضح ہے کہ حضرت حسن رض کے حق میں حضرت معاویہ رض شیعوں سے بہتر تھے ۔ شیعہ حضرت امام کے قتل کے درپے تھے اور پکڑ کر حضرت معاویہ رض کے حوالے کر دینے پر آمادہ تھے ۔ آپ کو مارنا پیٹنا ۔ مال و اسباب لوٹ لینا اور خواتین اہل بیت کی بے حرمتی کرنا تو شیعوں کے معمولی کارنامے تھے ۔

۴ ۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بعد سبط اصغر ریحانۃ الرسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید کربلا کے ساتھ تو شیعوں کی بے وفائی و بے عہدی شہرۂ آفاق ہے کہ ان کو خطوط کے انبار بھیج کر کوفہ بلوایا اور ان کے کوفہ پہنچنے سے پہلے ان غداروں نے بیعت توڑ کر ان کو شہید کر دیا ۔ ملا باقر مجلسی جلاء العیون میں حضرت امام باقر رح سے نقل کرتے ہیں :۔

"پھر لوگوں نے ان کے فرزند امام حسن رض سے بیعت کی ۔ اور بیعت کے بعد بد عہدی کی اور مکر کیا اور چاہا کہ ان کو دشمن کے حوالے کر دیں اور اہل عراق ان کے سامنے کھڑے ہو گئے ۔ اور ان کے پہلو میں خنجر مارا اور ان کا خیمہ لوٹ لیا ۔ یہاں تک کہ آپ کی لونڈیوں کے پاؤں سے خلخال (پازیب) اتارلیں اور آپ کو مجبور کر دیا حتیٰ کہ آپ نے معاویہ رض سے صلح کر لی ۔ اور اپنی اور اپنے اہل بیت کی جانوں کی حفاظت کر لی ۔ اہل بیت ان کے بہت تھوڑے تھے پھر بیس ہزار اہل عراق نے امام حسین رض کے ہاتھ پر بیعت کی

اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی انہوں نے ان پر تلوار چلائی اور آنحضرت ؐ کی بیعت ان کی گردن میں تھی کہ آپ کو شہید کر دیا ۔" (بحوالہ قاتلان حسین کی خانہ تلاشی ص۲۹)

۵ ۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے شیعوں کی غداری نے بعد کے ائمہ کو ایسا شکستہ دل کر دیا کہ انہوں نے خلافت کے خیال ہی سے دستبرداری حاصل کر لی ۔ احتجاج طبرسی ص۱۵۷ میں ہے کہ جب حضرت امام حسین کے قتل کے بعد شیعوں نے امام زین العابدین رح کو فریب دینا چاہا اور ان سے اپنی اطاعت و جانثاری کا اظہار کیا تو انہوں نے فرمایا :۔

"ہیہات ! ہیہات !! اے غدارو ! مکارو ! تمہاری مرادیں پوری نہ ہوں ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ مجھے بھی فریب دو جیسے تم نے میرے باپ دادا کو اس سے قبل فریب دیا ۔ ہرگز نہیں ! قسم ہے گردش والے آسمان کے رب کی ، ابھی تک میرے والد کی شہادت کا زخم مندمل نہیں ہوا ۔"

ان حوالہ جات سے چند باتیں واضح ہو جاتی ہیں :۔

اول : شیعوں کے ان بزرگوں سے ، جن کو وہ ائمہ معصومین کہتے ہیں ۔ کوئی دلچسپی نہیں ۔ نہ کوئی عقیدت ہے بلکہ یہ ہمیشہ ان بزرگوں کی بے حرمتی کرتے اور ان کی بد دعاؤں کے انبار جمع کرتے رہے ہیں ۔ یہ ہر مجلس میں رونا چلانا ، بین کرنا انہی اکابر کی بد دعاؤں کا نتیجہ ہے ۔ جو شیعوں کو نصیب ہیں ۔

دوم : یہ بزرگان دین شیعوں پر قطعاً اعتماد نہ کرتے تھے بلکہ ان کو

مفسد و مکار اور اپنے اہل بیت کے قاتل جانتے تھے۔

سوم: حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بہت ہی بڑا احسان کیا۔ کہ شروع ہی سے خلافت ان کے حوالے نہیں کی۔ اور ان کے ۲۵ برس عافیت سے گذر گئے۔ ورنہ شیعوں کی بے وفائی و غداری ان کو شروع سے مبتلائے عذاب رکھی۔ اور وہ بہت پہلے شیعوں کے ہاتھوں موت کی تمنائیں کرنے لگتے۔

چہارم: حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اگر شیعوں کے امام اول کے امام تھے۔ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے امام دوم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے امام ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ نے حضرت معاویہ رضؓ سے بطوع و رغبت بیعت کی۔

۵: خوش فہمیاں

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ کے ساتھ شیعوں نے جو حسن سلوک کیا اور ان بزرگوں نے اس کے صلہ میں شیعوں کو جو خطابات دیئے اور جن دعاؤں سے نوازا وہ اوپر کی سطور میں آپ پڑھ چکے ہیں، لیکن شیعوں کو خوش فہمی ہے کہ قرآن کریم کو غلط اور تحریف شدہ کہنا، اکابر صحابہ کو گالیاں دینا، ائمہ کو ستانا اور ان کی بد دعائیں لینا بڑا کار ثواب ہے۔ اس لئے قیامت کے دن صرف شیعوں کی نجات ہوگی۔ جناب مصنف نے بھی ان خوش فہمیوں کا جا بجا ذکر کیا ہے۔ بطور نمونہ چند حوالے

ملاحظہ ہوں:

۱- سورۃ الفجر کی آخری ـــ آیتوں (یاایتھا النفس المطمئنہ الی آخرہ) کے تحت مصنف لکھتے ہیں:۔

"اصول کافی سے مستفاد ہوتا ہے کہ شیعان علی بن ابی طالب کا اس سے گہرا تعلق ہے ان کا نفس احتضار کے وقت مطمئن ہوتا ہے۔ کیونکہ اس موقعہ پر ان کے زیر نظر حضرات چہاردہ معصومین کی نورانی شکلیں ہوتی ہیں۔ قبض روح کے موقع پر ان کی روح سے کہا جاتا ہے کہ خوش و خرم باہر آ جا۔ اور ملے عبد خدا محمد و آل محمد کی صف میں شامل ہو جا" (ص۱۰)

سبحان اللہ! کیا بشارت ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جو سراپا حیا و عفت تھیں، شیعہ (نامحرم ہونے کے باوجود) ان کی بھی زیارت کریں گے۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ شیعوں کو اطمینان کی یہ دولت کس نیک عمل کی بدولت نصیب ہوگی۔ شاید اس لئے کہ انہوں نے ائمہ کو ساری عمر بے چین رکھا۔ اور ان سے بد دعائیں لیں۔

۲- "علامہ ابن حجر عسقلانی نے حضرت رسول سے روایت کی ہے کہ آپ نے جناب امیر سے فرمایا کہ اے علیؓ تم اور تمہارے شیعہ حوض کوثر پر سیر و سیراب نورانی صورت ہوں گے۔ اور دشمن پیاسے زرد رو وہاں سے نکالے جائیں گے" (۱۰۵۸)

اگر یہ روایت صحیح ہے تو حضرت علی رض کے دوستوں سے مراد مہاجرین وانصار اور ان کے متبعین ہیں اور دشمنوں سے مراد وہ لوگ ہو سکتے ہیں۔ جن کو حضرت علی رض نے خائن و مکار فرما کر بد دعائیں دی تھیں۔

۳ ——— "ایک حدیث میں امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا واللہ شفاعت کے واسطے خدا نے ہمیں اجازت دی ہے اور ہم اہل بیت اور خاص لوگوں کے سوا کوئی بغیر اذن سفارش نہ کر سکے گا۔ اور ہم ہی حق بات کہنے والے ہیں کسی نے پوچھا، فرزند رسول! اس وقت آپ کیا بات فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا۔ خدا کی تسبیح۔ اپنے رسول پر صلوٰۃ، اپنے شیعوں کی سفارش۔" (ص۱۰۵)

سبحان اللہ! شیعوں کے کیا مراتب ہیں کہ شیعوں کی شفاعت کے لئے اماموں کو خدا سے اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں، شاید اس لئے کہ جنت و دوزخ اماموں کے اپنے قبضہ میں ہو گی۔ جیسا کہ "القیا فی جھنم کل کفار عنید" کے ذیل میں مصنف نے لکھا ہے:

۴۔ ملا باقر مجلسی نے حق الیقین میں امام جعفر صادق کی طرف منسوب تیرہ صفحے کی ایک طویل روایت نقل کی ہے۔ اس کا ایک ٹکڑا یہاں نقل کیا جاتا ہے:

"مفضل نے پوچھا کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ کا

کیا گناہ تھا جس کے بارے میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں: "لیغفرلک اللہ ماتقدم من ذنبک وما تاخر" کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے بخش دئے آپ کے پہلے اور پچھلے گناہ؟

حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا اے مفضل! رسول خدا نے دعا کی تھی کہ اے خداوندا! میرے بھائی علی بن ابی طالب کے شیعوں کے اور میرے فرزندوں جو کہ میرے اوصیاء ہیں۔ ان کے شیعوں کے سارے اگلے پچھلے گناہ، جو قیامت تک ہوں گے، مجھ پر ڈال دے۔ اور مجھے پیغمبروں کے درمیان شیعوں کے گناہوں کی وجہ سے رسوا نہ فرما۔ پس اللہ تعالیٰ نے شیعوں کے سارے گناہ آنحضرت پر لاد دئے اور وہ سارے گناہ آنحضرت کے لئے بخش دئے۔" (ص۲۶۷)

آگے روایت میں ذکر کیا گیا کہ اے مفضل! یہ بشارت صرف تمہارے جیسے خالص شیعوں کے لئے ہے، ان لوگوں کے لئے نہیں جو شیعہ کہلا کر گناہوں پر اقدام کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے "ولا تزر وازرة وزر أخرى" کا اصول پیش کیا تھا چونکہ شیعوں کو ہر چیز میں قرآن کریم کی مخالفت مقصود ہے اس لئے ناممکن تھا کہ وہ بھی عیسائیوں کی طرح کفارے کا عقیدہ ایجاد نہ کرتے۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

اور ان کے لشکروں کو۔ جنہوں نے آل محمد کا حق غصب کیا تھا، لایا جائے گا اور ان سے انتقام لیا جائے گا۔" (ص ۳۴۲)

○ "نعمانی نے امام محمد باقر رح سے روایت کی ہے کہ جب امام مہدی ظاہر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعہ ان کی مدد کرے گا اور پہلا شخص جو ان کے ہاتھ پر بیعت کرے گا وہ محمد ہوں گے (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے بعد حضرت علی رض۔" (ص ۳۴۷)

○ ——— "علل الشرائع میں امام محمد باقر رح سے روایت کی ہے کہ جب ہمارا مہدی ظاہر ہوگا تو (ام المؤمنین حضرت) عائشہ (صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا) کو زندہ کیا جائے گا۔ تاکہ ان پر حد جاری کیجائے اور (حضرت) فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کا انتقام ان سے لیا جائے۔" (ص ۳۴۷)

سب سے پہلے حضرت امام حسین کی رجعت ہوگی اور وہ دنیا میں اتنی طویل مدت تک حکومت کریں گے کہ بوڑھے آدمی کی ابروؤں کے بال اس کی آنکھوں پر لٹک آئیں گے۔"

(ص ۳۴۱)

ان حوالہ جات سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ شیعوں کو عقیدہ رجعت کے تصنیف کرنے کی ضرورت کیوں لاحق ہوئی؟ چند نکات اس کی مختصر وضاحت ضروری ہے۔

○ شیعوں کا بنیادی عقیدہ ——— جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ——— قرآن کریم کا غلط ہونا ہے۔ لیکن شیعوں کی بدقسمتی کہ وہ منافقوں کی طرح مسلمانوں کو دکھانے کے لئے اسی قرآن کو پڑھنے پر مجبور ہیں جسے وہ غلط اور تحریف شدہ مانتے ہیں اس کے علاوہ قرآن کریم کے کسی اور نسخے کا کوئی وجود نہیں، شیعہ مذہب کے بانیوں نے اپنے حواریوں کو مطمئن کرنے کے لئے رجعت کا عقیدہ ایجاد کیا؟ اور شیعوں کو بتایا کہ رجعت کے زمانے میں" اصلی قرآن" پڑھا جائے گا۔

○ شیعوں کا ایک بنیادی اور اصل الاصول عقیدہ یہ تھا کہ خلیفہ خدا بناتا ہے اور اس نے حضرت علی رض کو اور ان کی اولاد میں سے یکے بعد دیگرے گیارہ حضرات کو خلیفہ بنایا۔ مگر واقعات کی دنیا میں شیعوں کا یہ عقیدہ بالکل غلط نکلا، اس لئے کہ ان بارہ حضرات میں سے صرف دو کو خلافت ملی، ایک حضرت علی رض اور دوسرے حضرت حسن رضی اللہ عنہما، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صرف ساڑھے چار سال خلافت کی، اور اس دوران وہ شیعوں کے ہاتھوں ایسے تنگ آگئے کہ اپنے پورے دور خلافت میں شیعوں کو بد دعائیں دیتے اور اپنے لئے موت کی تمنائیں کرتے رہے۔ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے شیعوں کی غداری و مکاری سے تنگ آکر خلافت ہی حضرت معاویہ رض کے سپرد کر دی۔ ——— دیگر دس حضرات جن کو شیعہ نے امام اور خلیفہ بنایا۔ ان میں سے کسی کو خلافت نہیں ملی۔ پس اگر یہ حضرات خدا کے مقرر کردہ خلیفہ ہوتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں خلافت و تمکین عطا نہ فرماتے یہ ایک ایسی کھلی بات ہے کہ معمولی عقل و فہم کا آدمی بھی اس پر غور کرکے یہ سمجھ لیتا ہے کہ شیعوں کا " نظریۂ امامت "

قطعاً باطل اور فیصلۂ خداوندی کے خلاف ہے۔ بانیانِ مذہب شیعہ نے سادہ لوح شیعوں کو رام کرنے کے لئے عقیدہ رجعت گھڑا کہ اگر واقعات کی دنیا میں ان بزرگوں کو خلافت نہیں ملی تو کیا ہوا۔ قیامت سے پہلے ان سب کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اور وہ خلافت کی کسر نکالیں گے مگر شیعوں کی یہ طفل تسلی فارسی مثل "مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کلۂ خود باید زد" کی مصداق ہے۔

○ شیعہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو ظالم و غاصب مشہور کرتے ہیں مگر دنیا نے دیکھا کہ اللہ تعالےٰ نے ان کو آیت تمکین "وعد اللّٰه الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنهم فی الارض" (النور) کے تحت ایسی خلافت و تمکین عطا فرمائی کہ انہوں نے یہود و مجوس کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیئے اور قلیل مدت میں اسلام کا پرچم مشرق و مغرب میں لہرا دیا — بانیان مذہب شیعہ (یہود و مجوس) کو ان حضرات سے اسی اسلامی شوکت کی بناء پر عداوت تھی۔ اس لئے رجعت کا عقیدہ گھڑا گیا، تاکہ یہود و مجوس کا انتقام ان اکابر سے لیا جا سکے۔

○ شیعوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت کی وجہ سے اہل بیت نبوی سے بھی عداوت ہے، اس عداوت کے اظہار کے لئے عقیدۂ رجعت ایجاد کیا گیا۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امام مہدی کے ہاتھ پر بیعت کرا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی جائے گی۔ اور آپؐ کو مزید رسوا کرنے کے لئے شیعہ آپؐ کی بیویوں کو آپ کے سامنے کوڑے لگائیں گے ——— نعوذ باللہ

اہل تشیع اگر عقل و فہم کی نعمت سے بہرہ ور رہیں تو انہیں سوچنا چاہیئے کہ جو لوگ ایسے عقائد رکھتے ہوں کیا ان کے کفر و نفاق اور الحاد و زندقہ میں کوئی شک ہے؟

واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰه رب العالمین۔ وصلی اللّٰه تعالیٰ علیٰ خیر خلقه سید محمد وعلیٰ اٰله واصحابه واتباعه اجمعین۔

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

۳۰/۵/۱۴۰۲ھ